قدیم مسیحیت

مصنفہ

مولانا عبد الحلیم صاحب شرر مرحوم لکھنوی

مولانا نے دکھایا ہے کہ قدیم زمانہ میں مسلمانوں کے ساتھ عیسائیوں نے کیا برتاؤ کیا۔ اور مسلمان مسیحیوں سے کس طرح پیش آئے اور جس قدر اس مذہب سے فرقے نکلے ہیں سب کو جدا جدا مفصل بیان کیا ہے اور اس مذہب کی ترقی کے اسباب بیان کیے ہیں

مرتبہ

سید ظہور الحسن قومی پریس دہلی۔ چھتہ لال میاں

نے

مطبع مجتبائی جدید دہلی میں طبع کرا کے شائع کی

تعداد طبع ۵۰۰ قیمت فی جلد عمر

مختصر فہرست قومی پریس دھلی

کتب مولانا عبد الحلیم صاحب شرر

حالات اقوام کرد کردوں کی معاشرت و رسومات شادی و غمی و مذہبی عقائد اور اُن کا ترکوں کے ساتھ تعلق سلطان کے محل کے اندرونی حالات اور زنانہ دربار کا پورا نقشہ اور والدہ سلطانہ و قادن آفندی کے اختیارات بڑی دلچسپ کتاب ہے ۶؍

خلافت عمرو بن سعید بانی خلافت بنو امیہ۔

ابو مسلم خراسانی بانی خلافت عباسیہ کے پورے حالات قیمت ۳؍

تذکرہ مشاہیر عالم ہر دو جلد کامل مع فوٹو مولانا شرر جسمیں حسب ذیل سوانح درج ہیں خلیفہ ناصر الدین اللہ۔ زبیر ابن عوام عبد اللہ ابن زبیر بطوطہ۔ بقراط۔ جالینوس۔ سامانی۔ سامانیہ بن الصبی اعز الدین حسین۔ حاتم طائی۔ جبلہ بن ایہم محمد بن تومرت المہدی۔ المغربی۔ ابو عثمان۔ سعید بن منیح ساسانی سیوی۔ دمشق کی جامع بنی امیہ۔ ابو الاسود دولی۔ احمد بن طولون۔ ابو الضحاک عمرو بن معدیکرب زبیدی۔ نابغہ ذبیانی۔ سکندر اعظم۔ سمسون۔ ابن قراقر سلمغانی۔ الحکم المستنصر محمد عبد اللہ الزقیر۔ منذر بن مغیرہ حجاج دمشقی کہون مسجد ایا صوفیہ۔ محمد علی پاشا۔ ابو جعفر منصور ابو دلامہ شاعر مسجد اقصیٰ صلیبی جہاد قیمت ۸؍ عہ

مخدرات مشاہیر عالم

جسمیں حسب ذیل سوانح درج ہیں سمی رامس ملکہ نا ہند بنت نعمان لیلائے اخیلہ شہیدہ کاتبہ یحییٰ ملکہ سجاح۔ ام سلمہ۔ زوجہ سفاح قطر الندے بلقیس اور نفا۔ علیہ بنت مہدی خدیجہ بنت القیم ملکہ سیلمہ کہمرائن۔ زبیدہ خاتون۔ اہانی قلوپطرا۔ سیدہ مرو اسٹائل۔ رابعہ بصریہ۔ فاطمہ فقیہہ۔ ملکہ دیا ام ابان ابو شامیہ۔ فاطمہ نیشاپوریہ۔ ملکہ زنوبیہ نواز زوجہ غزنوی مصنفہ محترمہ زبدہ ہلینا قسطنطین اعظم کی ماں قیمت ۱۲؍

نکاح جعفر اور عباسہ ایک عرصے سے لوگ اس شبہ میں پڑے ہوئے ہیں کہ آیا یہ واقعہ صحیح یا غلط ہم نے نہایت تحقیق سے او دلائل کامل سے ثابت کیا ہے کہ یہ واقعہ افسانہ سے زیادہ نہیں ۱۲؍

ململ جان کی سرگذشت ساری کتاب تلازموں سے لبریز لکھنؤ اور دہلی کی پرانی زبان دانی کا پورا فوٹو جواب نا پید ہے قیمت ۶؍

حیات حافظ یعنی سوانحعمری خواجہ حافظ شیرازی ۸؍

سید ظہور و حافظ ابو الحسن قومی پریس چھتہ لال میاں دہلی

قدیم یت

نمبر ۱

اب بہت زیادہ ضرورت ہے کہ ان دونوں قوموں کے قدیم اور جدید تعلقات پر عمدہ طور سے غور کیا جائے تعصب اور مذہبی غلو کا زمانہ گذر گیا۔ اور روز بروز گزرتا جاتا ہے وہ باتیں قدیم ارسطو اور افلاطون کے فلسفہ کی تقلیدی تعلیم کے ساتھ نبھتی چلی جاتی تھیں۔ جنہوں نے آج کل کے بہت بڑے بڑے دہریوں کی نظر میں مذہب ہی کو تمام مظالم اور خونریزیوں کا باعث قرار دیدیا ہے۔ اور جن کے جواب میں شاید پوپ روم تک کو ساکت ہو جانا پڑا۔ اب روز بروز وضاحت کے ساتھ معلوم ہوتا جاتا ہے کہ اصلی مذہب ان الزاموں سے بری تھے۔ اور جس قدر اعتراض کئے گئے ہیں یا ہو سکتے ہیں۔ وہ صرف بعض اہل مذہب کے جاہلانہ تعصبات پر ہیں۔ مگر پھر بھی ہمیں تھوڑا بہت غور ضرور کرنا چاہیئے۔ اور دیکھنا چاہیئے۔ کہ عیسائیوں نے قدیم زمانہ میں مسلمانوں کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا۔ اور مسلمان مسیحیوں سے کس طرح پیش آئے۔

نبئ ناصری یا حضرت مسیحؑ کے بعد دین مسیحی نے ایک فوری ترقی کی اور تھوڑے ہی عرصے میں تمام مغربی دنیا کو گھیر لیا۔ قیاصرۂ روم کے دربار نے بڑے ذوق و شوق بلکہ جوش و خروش سے اس مذہب کو قبول کیا۔ جن کی وجہ سے یورپ کے وحشیوں سے بت پرستی اور ان کے مجنونانہ خیالات چھوٹے۔ اُدھر اس دین نے جس کی روحانیت کا بہت بڑا دعوے لیا جاتا ہے مصر سے بڑھکر افریقہ کا بھی بہت زیادہ حصہ فتح کر لیا۔ مغربی ایشیا کے ممالک جن میں ایشیائے کوچک شام و ارض فلسطین داخل تھے۔ وہ سلطنت روم ہی میں شامل تھے یہاں بھی یہود پر دست درازیاں کی گئیں۔ اور عیسائیت روز افزوں ترقی کرتی رہی۔ صرف

زرتشتی سلطنت نے جو شرق کی طرف نہایت مضبوط حد بندی کئے ہوئے تھی اُس نے دین مسیحی کو شرقی دنیا میں قدم نہ بڑھانے دیا۔

مسیحیوں نے اپنی اس ترقی اور تمدن کی رفتار میں دیگر اقوام کے ساتھ جیسا برتاؤ کیا اُس کے بیان کرنے کی ہمیں کچھ ضرورت نہیں کیونکہ ہم دین مسیحی کو بمقابل دین اسلام کے دیکھنا چاہتے ہیں۔ دیگر اقوام کے مقابل میں۔ دنیا بھر جانتی ہے کہ اُسوقت مسیحیوں میں کسی قسم کی شائستگی نہ تھی۔ اور اگر تھی تو ایسی کہ فلسفہ کی کتابیں مضر اور لامذہب بنانیوالی تصور کرکے کلیسیا کی کوٹھریوں میں مقفل کردی گئی تھیں۔ اور اُن پر متعصب مقتدایان دین مسیحی کا پہرہ بٹھا دیا گیا تھا۔ اس کا ثبوت اس سے زیادہ کیا ہو سکتا ہے کہ جب ساتویں صدی میں دولت عباسیہ کی جانب سے قیصر روم کو لکھا گیا کہ فلسفہ اور حکمت کی کتابیں جس قدر بہم پہونچ سکیں بھیجی جائیں تو اُسوقت دولت روم کے تمام علمائے مذہبی نے یہ آخری فیصلہ کیا کہ "یہ کتابیں مسلمانوں کو ضرور دی جائیں۔ اس لئے کہ تھوڑی ہی مدت میں ان کتابوں سے ان کا جوش مذہبی فرو ہو جائیگا" الغرض یہ ثابت ہوا کہ اُسوقت فلسفہ کی نسبت یورپ کے یہ خیالات تھے۔ اور اسی وجہ سے اُنکی جانب جیسے تعصبات اور جیسی زیادتیاں منسوب کیجائیں جائز تصور کیجائینگی۔ اور اسی کا یہ نتیجہ تھا کہ یہود پر بڑے سخت ظلم ہوئے۔ اُنکی عورتیں بیکس لونڈیاں بنائی گئیں۔ اور وہ خانماں برباد کردیئے گئے۔ یہود تو یہود خود مسیحیوں نے بعض اپنے ہی مغلوب فرقوں پر ایسے جور کئے کہ اُن کو کہیں ٹھہرنے اور قدم جمانے کی جگہ نہ ملتی تھی عرب جاہل کے صحراؤں اور کوہستانوں میں ٹھوکریں کھانا اور بت پرستوں کے ٹیروں میں بے امنی کے ساتھ زندگی بسر کرنا کوئی بااطمینان اور مہذب شخص نہیں گوارا کر سکتا تھا وہاں بھاگ بھاگ کے یہودی اور مغلوب مسیحی فرقے پناہ گزین ہوئے تھے۔ تمام تاریخیں کنار خود عیسائی مورخوں کو اعتراف کرنا پڑا ہے کہ اُنکے قدیم اہل مذہب کے ہاتھوں نے دنیا پر بڑے بڑے ظلم کئے اور حضرت مسیح کا قول سچ ہوا کہ میں امن وامان لیکے نہیں آیا ہوں بلکہ قتل اور خونریزی لے کے آیا ہوں۔ جناب مسیح کی یہ پیشین گوئی چھٹی صدی تک پوری ہوتی رہی۔

یہاں تک کہ وہ وقت آگیا جو ان خونریزیوں کا انتقام لینے کیلئے معین کیا گیا تھا۔

جناب رسالتمآبؐ پیدا ہوئے۔ اور آپ کی تعلیمات آہستہ آہستہ جزیرہ نمائے عرب میں پھیلتی رہیں۔ آخر تمام اہل عرب اس حکم نبوی کے تابع ہو گئے۔ اور سرزمین عرب کے ہر ہر گوشے سے کلمہ توحید کی آواز اس جوش و خروش سے بلند ہوئی کہ ظالم جبار دارانِ روم اور غفلت شعار تاجدارانِ عجم یک بیک چونک پڑے۔ اس آوازِ حق کے دبانے کی کوشش میں انتہا سے زیادہ سرگرمیاں دکھائی جانے لگیں۔ مگر ؎

چراغے را کہ ایزد بر فروزد　　کسے کو پف زند ریشش بسوزد

رومیوں کے جھنڈے کے نیچے یونانیوں کو پیہم شکستیں ہونے لگیں۔ مسلمانوں نے سوتے پلک کے یکایک سرزمین عرب سے قدم باہر نکالا۔ اور ان دونوں کی وہ سلطنتیں جو مذہب کی وکالت میں آئے دن آدمیوں کے خون سے اپنے ہوا خواہوں کی تلواریں نکالا کرتی تھیں انکی جولانگاہ قرار پا گئیں۔ مسلمانوں کی متواتر فتوحات نے ان کے حوصلے اور بڑھا دئے اور وہ ایران و شام کی مہمیں سر کر کے ملک مصر میں گھسے۔ اور قبطیوں کی سلطنت کو پامال کرتے ہوئے ایسے بڑھے کہ تمام براعظم افریقہ کو طے کر کے سواحلِ بحرِ مغرب تک پہونچ گئے۔

یہ پہلا زمانہ تھا کہ جس وقت مسلمان عیسائیوں کی تقدیر کے مالک بنے تھے۔ زیادہ تر یہی دیکھنا ہے کہ مسلمانوں نے اس وقت عیسائیوں کے ساتھ کیا برتاؤ کیا۔ مسلمانوں کو جتنی لڑائیاں لڑنا پڑیں۔ باستثنائے بلادِ عجم کے سب مسیحیوں سے تھیں۔ ان کو زبان حضرت رسالت سے معلوم ہو چکا تھا کہ عیسائی لوگوں میں یہود کی ایسی قساوت نہیں ہے۔ بیشک اس خیال سے وہ مسیحیوں کو نہ ستاتے مگر کیا کرتے جبکہ انکی بیخ کنی کے لئے سلطنت روم میں بڑے تزک و احتشام سے فوجیں جمع کی جا رہی تھیں۔ اور اگر خلیفہ اول جناب صدیقؓ اپنی طرف سے فوجیں روانہ کرتے تو بیشک یونانی سپاہی حدود عرب میں آکر بازار جنگ گرم کر دیتے اور اعراب طائع میں پھر بے دینی آ جاتی۔ جو اسی وقت ندامت کے ساتھ اپنے ارتداد سے تائب ہوئی تھیں۔ قیصر روم کے حملہ روکنے کیلئے مسلمانوں نے بھی سرگرمی سے مستعدی ظاہر کی۔

باوجودیکہ رومی فوجیں مسلمانوں کی پوری دشمن تھیں۔ اور اہل حجاز کو انسے کسی رعایت کی امید نہ تھی۔ مگر جو احکام اور نصائح حضرت صدیق رضی اللہ عنہ ہر سردار کی روانگی کے

کے وقت ارشاد فرماتے تھے۔ اُن سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمان صرف اپنی حفاظت
کلمۂ توحید کے رواج دینے کی غرض سے بڑھے تھے۔ کوئی دنیاوی طمع یا خونریزی کا شوق
یا متعصبانہ جوش اُن کے دل میں نہ تھا۔ یہ ہدایات کہ بارآور اور سایہ دار درخت نہ کاٹے
جائیں کھیتیاں پامال نہ کی جائیں عورتیں بچے۔ بوڑھے اور ضعیف دمریض ہرگز نہ قتل کئے
جائیں" اور سب سے زیادہ تعصبی کی وضاحت اس حکم سے ہوتی ہے کہ وہ گوشہ نشین راہب
اور مقتدایان دین مسیحی جو گرجوں میں عزلت گزین ہو گئے ہیں۔ اُن پر ہرگز تلوار نہ بلند کی جائے
یہ نصیحتیں نہ تھیں۔ بلکہ یہ واجب التعمیل احکام تھے جن کو ہر مسلمان سپاہی اپنے بازو پہ
باندھ کے چلا تھا۔

میور صاحب جنھوں نے مسلمانوں کو الزام دینے کی بڑی بڑی کوششیں کی ہیں
وہی اپنے تذکرۂ پیغمبر اسلام کے دوسرے حصے میں لکھتے ہیں۔ کہ رسول اللہ نے بنی حارث اور بنی نجران
کے اسقف اعظم اور دیگر اساقفہ کو اور نیز اُن کی پیروی کرنے والوں اور راہبوں کو اس مضمون
کا خط لکھا تھا کہ ہر چیز خواہ قلیل ہو خواہ کثیر جس حیثیت سے اب تمہارے کنیسوں اور خانقاہوں
میں ہے۔ اسی حیثیت سے وہ تمہارے قبضہ میں رہیگی۔ اور تم اُسی طرح اُسے اپنے کام میں لاؤ
جس طرح اب لاتے ہو۔ خود خداوند عالم اور اس کا رسول عہد کرتا ہے کہ کوئی اسقف اعظم اپنی
عملداری سے اور کوئی راہب اپنی خانقاہ سے اور کوئی اسقف اپنے عہدے سے برخاست نہ کیا جائیگا
اور اُنکی حکومت اور اُنکے حقوق میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہ کیا جائیگا۔ اور نہ اس بات میں کچھ تغیر
ہوگا جو اُن میں مرسوم اور مروج ہو۔ اور جبتک وہ صلح و آشتی اور تدین کو اپنا شعار رکھینگے۔
اُن پر کسی قسم کا ظلم و جور نہ کیا جائیگا۔ نہ وہ کسی پر ظلم و جور کرنے پائینگے"

اس سے بھی زیادہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی وہ منصفانہ اور غیر متعصبانہ کارروائی
ہے جو شہر بیت المقدس میں داخل ہونے کے وقت اُن سے ظاہر ہوئی سنہ ۶۳۷ء میں جب حضرت
عمر بیت المقدس میں گئے تو گھوڑے پر سوار سفرونیوس اسقف اعظم سے بیت المقدس کی عمارات
قدیم وغیرہ کا تذکرہ کرتے ہوئے شہر کے اندر چلے گئے۔ اور جب نماز ظہر کا وقت آیا۔ تو خلیفہ نے
اُس کلیسائے بزرگ میں نماز پڑھنا نہ منظور کیا۔ جہاں اُس وقت کھڑے ہوئے تھے۔ بلکہ ایک اور

کلیسا کے زینے پر فریضہ نماز ادا کیا۔ اور اسقف اعظم سے مخاطب ہوکر فرمایا۔ اگر میں اس کلیسائے بزرگ کے اندر نماز پڑھتا۔ تو آیندہ مسلمان اُس معاہدے کے خلاف کرتے جو ہم اور تم سے ہوگیا ہے۔ اور یہ حیلہ کرتے کہ جب خود خلیفہ نے اس گرجا میں نماز پڑھی تو پھر ہم کو کون منع ہے۔

ان تمام نظائر اور شواہد سے صاف ثابت ہوتا ہے۔ کہ اہل اسلام کا برتاؤ مسیحی راہبوں کے ساتھ کیسا تھا۔ اُن کو پوری آزادی دی جاتی تھی اور اُن کے حقوق کی نگہداشت کی جاتی تھی جو عہد کر لیا جاتا تھا۔ اُس پر ہر مسلمان عملدرآمد کرتا تھا۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ یہ پختگی تھی کہ جانشینان خلافت اسلام جنہوں نے شخصی حکومت قائم کرکے اپنی زبانوں کو قانون بنا دیا تھا۔ وہ بھی اُن عہد ناموں کی پوری پوری تعمیل کرتے تھے۔ عہد کا پورا کرنا اور باوجود اپنے نقصان کے اُس پر قائم رہنا مسلمانوں ہی کا حصہ تھا۔ جس کی نظیر اُس وقت کی دیگر اقوام تو درکنار شاید اُن سے پہلے اور بعد بھی کسی قوم میں نہ پائی گئی ہوگی۔

اکثر راہبوں اور کلیسا کے گوشہ نشینوں نے مسلمانوں کے ساتھ دغا کی۔ انکو فریب دیئے مگر اُن کا یہ عالم تھا۔ کہ اُن راہبوں پر دانت کٹکٹاتا اور کچھ نہ کرسکتے تھے دشمن لڑنے والوں کو بھی جان بچانے کا یہ نہایت عمدہ پہلو دے دیا گیا تھا۔ کہ جزیہ کے نام سے ایک سالانہ رقم ادا کریں۔ جو سلطنتوں کے معمولی خراج سے بہت کم تھی۔ اور جسکی ادائی کے بعد اُن لوگوں کا خون بھی ویسا ہی حرام ہو جاتا تھا۔ جیسا کسی مسلمان کا خون حرام ہو یہ وہ رقم تھی جس پر مسلمان اپنی حفاظتی یا حسب بیان الزام دینے والے مورخین کے اپنی حملہ آوری کی کارروائیوں کا اختتام کیا کرتے تھے۔ مسیحیوں کو امن کے بعد اپنے گرجوں میں جانے۔ اپنی نماز ادا کرنے۔ اپنے مذہبی مراسم بجالانے کا اختیار دے دیا جاتا تھا۔

جس تہذیب کے ساتھ مسلمانوں نے فوجی زیادتیوں اور سپاہیوں کی دست درازیوں کو روکا ہے۔ اور تاخت و تاراج کی کارروائیوں کو ضابطہ کے ساتھ ایک مہذب قانون کا پابند بنا دیا ہے۔ وہ شاید اُنہیں کا حصہ تھا۔ اور کوئی فاتح قوم اس امر میں اُنکی برابری کا دعویٰ نہیں کرسکتی۔ ہر حملہ آور کو الزام دیدینا نہایت آسان ہے۔ مگر اُس کی حالت اور

اُس کی مجبوریوں کا لحاظ کیا جائے تو وہ کوئی معمولی تہذیب نہ تھی جو نبی عربی پر ایمان لانے والوں اور پیروان اسلام سے ظاہر ہوئی۔

مسلمانوں کے اُس فتحمندی کے سیلاب نے قبطیوں اور آتش پرستوں کا خاتمہ کر دیا۔ عیسائی مذہب البتہ اس زور و شور سے دنیا پر حاوی تھا۔ کہ مسلمانوں نے اگرچہ سلطنت روم کو تباہ کر دیا۔ مگر دین عیسوی کو زک نہ دے سکے۔

اب یہ زمانہ گذر گیا۔ اور وہ زمانہ آیا جب بنی امیہ اور خاندان عباسیہ کی فرمانروا خلفا کے نام سے دنیائے اسلام پر حکومت کر رہے تھے۔ اُن دنوں اگرچہ وہ اگلے خلفا کے باندھے ہوئے اصول ٹوٹ گئے تھے۔ اور اسلام میں ایک نمائشی شان و شوکت ظہور پذیر ہوئی تھی۔ جس سے کم امید ہو سکتی تھی۔ کہ مسلمان فرمانروا اپنی دینی وقعت اور عزت کے خیال سے کسی غیر قوم والے کی بھی کچھ وقعت کرینگے۔ مگر نہیں اُن کی عدل پروریوں سے عیسائیوں بلکہ عموماً دیگر اقوام کے لئے ترقی کے دروازے کھل گئے تھے سیکڑوں عیسائی اور مجوسی نکلینگے جو پچھلے خلفا کے درباروں میں بڑی عزت و وقعت سے جگہ پاتے تھے۔ اُن کے علوم کی قدر ہوتی تھی۔ اُن کا داب و وقار مانا جاتا۔ اور نہایت فخر کے ساتھ ان کی شاگردی کی جاتی تھی۔ علوم و فنون کی دنیا میں اگرچہ خاص مسلمانوں نے بہت بڑی نمایاں ترقی ظاہر کی۔ مگر عموماً اُن کی شاگردی کا اعتراف کر رہے ہیں۔ اب اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ تعلیم میں گو کہ زیادہ حصہ دینیات کا تھا مگر بعض مدارس کے پرنسپل عیسائی عالم مقرر کئے گئے۔ بیت الحکمۃ جو مسلمانوں کی ترقی علم کا پہلا سرچشمہ تھا۔ اسمیں اکثر مترجم اور علما عیسائی تھے۔ جن سے کبھی بوجہ مخالفت مذہب کے ناراضی نہیں ظاہر کی گئی۔ بلکہ خاطرداری کا برتاؤ رہا۔ اُن میں سے بعض نے دین اسلام بھی قبول کر لیا۔ اور بعض آخر تک اپنے مذہب پر قائم رہے۔

خلفائے بنو امیہ میں سے ولید بن عبدالملک نے جامع دمشق کی تعمیر کے وقت ارادہ کیا کہ ایک گرجے کو جو اُس کے پڑوس میں تھا منہدم کرکے مسجد میں ملا لے۔ اگرچہ ولید کوئی منصف مزاج خلیفہ نہیں مانا گیا ہے مگر اس کارروائی میں بھی اُس نے مسیحیوں کی

ہدایت کی کہ اس گرجے کو اُن سے مول لے لینا چاہا۔ عیسائی جس قدر قیمت طلب کرتے
وہ دینے کو موجود تھا۔ مگر مسیحیوں نے شاہی رحمدلی کی بالکل قدر نہ کی اور صاف انکار کر دیا
اس پہ ولید نے ناراض ہوکر حکم دیدیا کہ وہ گرجا زبردستی توڑ کے جامع دمشق میں ملا دیا جائے
اس وقت مسیحی لوگ روپیہ لینے پر راضی ہو گئے۔ مگر ولید کا مزاج برہم ہو چکا تھا۔ جس نے ذرا پروا
کی۔ روپیہ دینے سے بھی انکار کر دیا۔ اور وہ گرجا بھی منہدم کر کے مسجد میں شامل کر لیا۔
عیسائی طبائع اس واقعہ سے غضب آلودہ ہوئی ہونگی۔ آخر خلیفہ عمر بن عبدالعزیز نے اُن کے
پوچھا اور حاکم دمشق کے نام فرمان جاری کیا کہ ولید نے گرجے کو توڑ کے جس قدر مسجد میں
شامل کر لیا تھا۔ وہ حصہ ڈھا دیا جائے۔ اور عیسائیوں کو اجازت دی جائے کہ وہاں اپنا
گرجا بنالیں۔ اسکے علاوہ اور بھی بہت سے ایسے واقعے نکلیں گے جن سے مسلمانوں کی
فیاضی اور رحمدلی ثابت ہو گی۔ مصر کے گرجوں کے ساتھ بھی اسلامی حکومت نے ایسا ہی برتاؤ
یعنی وہاں کے پہلے ایک گورنر نے تمام کنیسے مسمار کر دیئے تھے۔ مگر پھر اُسکے بعد ایسا انصاف
اور رحمدل حاکم آیا۔ جس نے وہ تمام کنیسے شاہی خزانے پر بار ڈال کے تعمیر کرا دیئے
شخصی سلطنتوں میں یہ ہمیشہ ہوتا رہا ہے کہ کبھی کچھ اور کبھی کچھ۔ اسی وجہ سے اس قسم کی
مختلف کارروائیاں ہوتی تھیں۔ بخلاف عیسائیوں کے جو گویا رحمدلی کو بالکل بھول
گئے تھے اُن میں رحمدلی کے نظائر بالکل نہ پاؤ گے۔ اُن کی عام حالت ظلم و جور کی تھی
دیگر مذاہب کے حق میں ایک سے ایک بڑھکر جابر بادشاہ ہوا۔ جسکی وجہ سے یورپ میں
خونریزی کا ایسا مسلسل قانون جاری ہو گیا تھا جس کی کوئی انتہا نہ تھی۔

اس موقع پر وہ واقعہ بھی نقل کرنے کے قابل ہے۔ جو مولانا شبلی صاحب نے اپنی
کتاب المامون میں بیان کیا ہے کہ عبدالمسیح بن اسحٰق کندی جو ایک عیسائی عالم اور
زہد میں ممتاز تھا۔ مامون کے ایک عزیز کا دلی دوست تھا۔ اس ہاشمی نے عبدالمسیح
کو نہایت نرم لفظوں میں ایک دوستانہ خط لکھا کہ اگر آپ مذہب اسلام قبول کر لیں
تو خوب ہو۔ مجھ کو افسوس ہے کہ ایک ایسے سچے مذہب کی طرف جیسا اسلام ہے آپ
مائل نہیں ہوتے۔ اس خط کے جواب میں عبدالمسیح نے جو کچھ لکھا جب تک کوئی

شخص خود نہ دیکھ لے۔ اُس کا اندازہ نہیں کر سکتا۔ اس برگزیدہ رہنمائے خلق یعنے
محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید و صحابہ کی نسبت وہ الفاظ لکھے کہ سنکر
کانپ جاتا ہے،، اس کی نسبت مولوی شبلی صاحب ہی کا فیصلہ نہایت عمدہ ہے
کہ عبد المسیح اگر اس زمانہ میں ہوتا تو تعزیرات ہند کی حدود میں ضرور آجاتا۔ مگر افسوس ہی ایسا
شخص تھا جس نے عبد المسیح کی متعصبانہ تحریر کو انتقام یا جوش مذہبی کی نظر سے نہ دیکھا۔

اس زمانہ کے جب صلیبی لڑائیاں شروع ہوئیں۔ اُن دنوں مسیحیوں کے ساتھ جیسے
برتاو اہل اسلام کی جانب سے کیئے گئے ہیں، تمام کتب تواریخ اُنکی شائستگی کی شہادت
دے رہی ہیں۔ خود سلطان صلاح الدین جس کی سطوت اور شجاعت کو یورپ کا ہر
بچہ جانتا ہے اُس نے اگرچہ عیسائیوں ہی کے مقابلہ میں زندگی گذاری اور کامیاب
ہوتا رہا۔ اگرچہ مسیحیوں نے اُسی اشتعال طبع کے متعلق کوئی کارروائی نہیں اُٹھا رکھی
تھی مگر وہ ہمیشہ اُسی شریفانہ برتاؤ سے پیش آیا جو ایک مہذب دلیر کے شایان ہے گبن
اور دیگر منصف مزاج مورخوں نے تسلیم کر لیا ہے کہ صلاح الدین کے شریفانہ چال چلن کے
آگے وہ شیر دل شاہ رچرڈ جس پر انگلستان کو آج تک ناز ہے اور ہمیشہ رہیگا کوئی چیز نہ تھا
رچرڈ کی طبیعت میں ظلم و جور تھا۔ جو سچی بہادری اور اصلی شجاعت کے بالکل خلاف ہے۔
وہی بیت المقدس جس میں تھوڑی ہی مدت پہلے اسی ہزار مسلمان تہ تیغ کیئے گئے
تھے جب صلاح الدین نے اُسے فتح کیا ہے۔ تو وہ مسیحیوں سے قدیم مظالم کا پورا بدلہ لے سکتا
تھا۔ اور خود عیسائیوں کو اس کا یقین تھا ہر عیسائی عورت اور بچہ اُس وقت دل ہی دل میں
کانپ رہا تھا کہ دیکھئے اب مسلمان کیا کرتے ہیں۔ مگر صلاح الدین نے رحم سے کام لیا اور
اُس نے ایسی رحمدلی ظاہر کی۔ کہ لوگوں کو حیرت ہو گئی۔ اُس نے حکم دیا کہ ہر مرد اپنی طرف سے
دس دینار اور ہر عورت پانچ دینار اور بچوں کی طرف سے ایک دینار چالیس روز کے اندر
داخل کر دیا جائے۔ اور جو لوگ نہ ادا کر سکینگے۔ وہ مسلمانوں کے غلام ہو جائینگے اور اُنکو
آزادی کا کوئی حق نہیں ہوگا۔ باوجود اسکے یہ بہت کم رقم تھی۔ اسپر بھی ہزاروں ہی نہ
ادا کر سکے۔ جن کی حالت دیکھ کے اُس کا دل نرم ہو گیا۔ اور آخر اس نے سب کو چھوڑ دیا۔

جو وقت یہ لوگ نکلے ہیں صلاح الدین کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے یہاں کا عیسائی بادشاہ پہلے ہی مسلمانوں کے ہاتھ میں گرفتار ہو گیا تھا جب صلاح الدین کی ملکہ سے ملا ہے تو اس کی آنکھیں نم تھیں۔ اور روتا جاتا تھا۔ اور باتیں کرتا جاتا تھا۔ یہ وہ تمام فیاضانہ برتاؤ تھے جو مسلمانوں کی جانب سے مسیحیوں کے ساتھ کیئے گئے۔

ہمکو یہ دعویٰ نہیں ہے کہ عیسائیوں پر مسلمانوں نے کبھی ظلم کئے ہی نہیں۔ بیشک بعض اوقات بعض جاہل اور متعصب حکمرانوں نے اس قسم کے جور کئے کہ اُن کے معابد اور کنیسے ڈھادئے اور مذہبی توہین کی۔ لیکن تاریخ ہی بتا دیتی ہے۔ کہ ہمیشہ اُن مظالم کا نہایت عمدہ معاوضہ ہو گیا۔ اور اُس دل شکنی کے عوض ایسی دلدہی کی گئی کہ عیسائی اپنی مظلومیت کو بھول گئے۔ دریائی زمانہ جس وقت کہ یورپ میں کروسیڈ کا جوش زور کے ابھرتا تھا۔ ان دنوں یہ عام قاعدہ تھا۔ کہ یورپین جہاز جب کبھی مسلمانوں کے قبضہ میں آجاتا تھا تو اسکے تمام مسافر زن و مرد بلا امتیاز و استثنا مصر و شام کے بازاروں میں لاکر بیچ ڈالے جاتے تھے اہل اسلام کے جہازوں کے ساتھ فرانس کے لوگونکا برتاؤ اس سے زیادہ سخت ہوا کرتا تھا یعنی جو مسلمان گرفتار ہوتے تھے۔ شاید اُن میں سے دو چار بچا لئے جاتے ہوں ورنہ عموماً اکثروں کی بڑے بڑے کنیسوں اور گرجوں پر قربانی چڑھادی جاتی تھی۔

جس تاریک زمانے میں میڈیٹرنین سی (بحیرہ روم) کی لہریں ایسی ظالمانہ شوخیاں کر رہی تھیں۔ اور وہ سمندر ان قزاقیوں کا اکھاڑا بنا ہوا تھا۔ اُسکو ابھی زیادہ زمانہ نہیں گذرا۔ دولت عثمانیہ کے دور تک یہ مظالم موجود تھے۔ اس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا ہے کہ عیسائیوں کا برتاؤ اُس دریائی رہزنی میں مسلمانوں کے اعتبار سے بہت زیادہ ظالمانہ تھا۔ ہاں یہ تقدیری یا مسلمانوں کی بہادری کا نتیجہ تھا کہ زیادہ جہاز عیسائیوں ہی کے گرفتار ہوئے۔ چونکہ اُن دنوں قوت کے اعتبار سے مسلمان بہت زیادہ تھے لہذا یورپ پر اُن کا ایک رعب بیٹھ گیا تھا۔ اور اکثر عیسائیوں نے بے لڑے بھڑے اپنی قسمت مسلمانوں کے سپرد کر دی۔ اسی وجہ سے مسلمان کامیاب ہوتے تھا

دولت عثمانیہ جس کی عداوت پر اب سارا یورپ آمادہ ہے اور جس کے ضعیف کرنے

اور جس کے تباہ کرنے کے لئے سینکڑوں برس سے پوشیدہ سوسائیٹیاں قرار دی جا رہی ہیں۔ اور ہولی الائنس کا جال تمام عیسائی دول یورپ پر ڈالا گیا ہے۔ جس کی رعایا اس سے باغی کی جاتی ہے۔ اور بڑی بڑی کوششوں سے بغاوت کے جھنڈے بلند کرائے جاتے ہیں۔ اس کی جانب سے بھی مسیحیوں کے ساتھ ایسی ایسی فیاضانہ رعایتیں کی گئی ہیں کہ اگر مسلمان عیسائیوں کے زیر فرمان ہوتے تو ہرگز ایسی رعایتوں کے امیدوار نہ ہوتے۔ وہ زبردست فاتح جس کی تلوار نے سارے یورپ کو لرزا دیا تھا۔ اور جس کی حوصلہ مندیوں نے کروسیڈ والوں کے حوصلے بھی پست کر دیئے تھے۔ وہ کون؟ سلطان محمد ثانی۔ جس نے قسطنطنیہ کو فتح کیا۔ اور اس شہر پر ہلالی جھنڈا اڑا دیا جس کے گرد مسلمانوں کی بہت سی زبردست قوتوں کو زک مل چکی تھی۔ اور جس کی دیواروں کے پیچھے عبداللہ بن ابی ایوب انصاری (رضی اللہ عنہ) کا ایسا جلیل القدر صحابی چھ سو برس تک ایک گمنام لحد میں خواب عدم کی نیند میں پڑا رہا۔ اسی زبردست مجاہد اور فاتح کا ذکر ہے کہ جب ۱۴۴۸ء میں ہنیاڈس دائوڈ نے شہر وارنا کا محاصرہ کیا۔ جو محمد ثانی کے قبضے میں تھا۔ اس وقت جارج برنیکوڈش نے جو گریک چرچ کا مقتدا تھا ہنیاڈس سے پوچھا کہ "اگر آپ کو فتح حاصل ہوئی تو کیا کیجئے گا؟"

ہنیاڈس نے جواب دیا کہ "اگر فتح ہوئی۔ تو میں جبراً و قہراً تمام رعایا کو رومن کیتھولک طریقہ کا پابند بناؤنگا۔ اور کسی شخص کو اس سے مفر نہ ہوگا۔" یہ جواب پا کے برنیکوڈش سلطان محمد ثانی کے پاس گیا۔ اور اس فتح مند سلطان سے بھی یہی سوال کیا سلطان محمد ثانی بولا کہ اگر خدا نے مجھے فتح دی۔ تو ہر مسجد کے پاس ایک گرجا بنواؤنگا اور لوگوں کو اجازت دونگا۔ کہ چاہیں مسجد کے محراب کے آگے سر جھکائیں۔ اور چاہیں صلیب کے آگے۔" اور اسی جواب نے سرویا والوں کو خود بخود ترکوں کا مطیع کر دیا۔ یہ ایک ایسا غیر متعصبانہ ارادہ تھا جو شاید کسی قدیم مسیحی بادشاہ کے دل میں بھی نہ گزرا ہوگا۔ موجودہ تہذیب کا زمانہ جس میں حکومت مذہب سے بالکل جدا کر دی گئی ہے اور جبکہ مذہبی جوش اور دینداری کے تعصب کی جگہ قومی اور ہم وطنی کا تعصب پیدا ہو گیا ہے

بھی اس خیال کے فرمانروا نہیں پیش کر سکتا۔ اس زمانہ کے فرمانرواؤں کو ہم ہرگز یہ
الزام نہیں دے سکتے۔ کہ اُن کے طرز حکمرانی میں کسی مقام پر بھی عیسائیت کی بو آتی
ہے۔ لیکن اس میں شک نہیں ہے کہ اب اُس مذہبی تعصب کی جگہ قومی جوش اسقدر ترقی
کر گیا ہے۔ کہ باوجود بڑی انصاف پسندی کے دعووں کے انگریزی عدالتیں درکنار
انگریزی قانون بھی تعصب کے لگاؤ سے خالی نہیں۔ اور جب انگریزی قانون کا یہ حال ہے
تو دیگر یورپین سلطنتوں کا کیا ذکر جو آزادی میں ہنوز برٹش گورنمنٹ سے پیچھے ہیں
مگر اس زمانے سے ہمیں چنداں سروکار نہیں۔ کیونکہ یہ شائستگی کا زمانہ ہے۔ اور قدیم
مسلمانوں کا اندازہ اس زمانہ کے مقابل میں اُسی طرح نہیں ہو سکتا۔ جسطرح رومیوں
اور یونانیوں اور مصریوں کی تہذیب کا اندازہ مسلمانوں کی ترقی کے دور کے مقابل
میں نہیں کیا جا سکتا۔ یہ نیچر کا سکھایا ہوا تجربہ ہے کہ "نقاش نقش ثانی بہتر کشد ز اول"
یہاں تک ہم نے جو کچھ بتایا۔ وہ صرف اسی قدر تھا کہ مسلمان عیسائیوں کے ساتھ کس
فیاضانہ خلق سے پیش آئے۔ یہ ابھی باقی ہے کہ مسیحیوں نے مسلمانوں کے ساتھ کیا
برتاؤ کیا۔ افسوس اس موقع پر باستثنائے موجودہ زمانے کے اور کوئی ایسی نظیر نہیں
مل سکتی جس سے ثابت ہو۔ کہ کبھی عیسائیوں نے مسلمانوں کے حال پر رحم کرنا تو کیا
دست ظلم کو روکا بھی تھا۔ اول تو تواریخ سے یہ ثابت ہی نہیں ہوتا کہ کبھی مسلمان رعایا
مسیحیوں کے زیر فرمان رہی ہو یا مسیحی اُس ملک پر حکمران ہوئے ہوں جس میں کسی قدر مسلمان
بھی آباد تھے۔ فتوحات اسلام کے بعد سے آخر تک ایشیا اور افریقہ کے ممالک پر عموماً اہل اسلام
ہی حکمراں رہے۔ اور یہی وہ مقامات ہیں۔ جن میں مسلمانوں کی آبادی ہے۔ سرزمین شام پر
صلیبی لڑائیوں نے کچھ دنوں کے لئے مسیحیوں کو مسلمانوں کی قسمت کا مالک بنا دیا۔ مگر شاید
بخت نصر تاجدار نینوا کے بعد اُس سرزمین کو ایسے مظالم کبھی نہ برداشت کرنا پڑے ہونگے جیسے
کہ اُس چند روز کی عیسائی حکومت نے کئے۔ تمام مورخین اُس زمانے کو یاد کر کے روتے ہیں۔ یورپین
مورخین کے قلم اُن ظالم مسیحیوں کی عیب پوشی کرتے کرتے گھس گئے۔ اُن کو بھی آخر مجبور
ہو کے وہ جور و ظلم تسلیم ہی کرنا پڑتے ہیں۔ آہ! جس مقام پر جو مسلمان ہاتھ لگا قتل کر ڈالا گیا

اور ایسی سختیاں کی گئیں جنکو یاد کرکے آجتک لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں مجاہدین مسیحی نے جب بیت المقدس پر قبضہ پایا تو مسلمانوں کے خورد سال بچوں کو دیواروں سے ٹکرا ٹکرا کے انکے سر پھاڑ ڈالے اور بھیجے نکال لئے چھوٹے چھوٹے شیر خوار بچوں کو فصیل قلعہ پر سے نیچے دے دے مار کے مار ڈالا۔ جوانوں کو آگ میں زندہ بھون ڈالا۔ اور بعضوں کے پیٹ پھاڑ ڈالے کہ دیکھیں سونا تو نہیں نگل گئے ہیں مسلمان تو خیر مجرم ہی تھے۔ یہود کو اُن کے معبدوں میں بند کرکے زندہ جلا دیا۔ اور لطف یہ کہ پوپ روم کا نائب خود ان مظالم میں شریک ہوا۔ عربی مورخین کا بیان ہے کہ چالیس دن کے محاصرہ کے بعد جب ۴۹۲ھ میں شعبان کی ۲۳ تاریخ فرنگیوں نے بیت المقدس کو فتح کیا۔ تو کامل ایک ہفتہ تک مسلمانوں پر قتل عام ہوتا رہا صرف مسجد اقصےٰ کے اندر ستر ہزار مسلمان مارے گئے جن میں بڑے بڑے امام اور عابد اور زاہد اور بقصد برکت اندر جوش دینداری گوشہ نشین ہو رہنے والے مسلمان شامل تھے۔ مسجد اقصیٰ میں تمام نجاستیں ڈال کے اُسے ناپاک کر دیا۔ اور مسلمانوں کی تمام مسجدیں منہدم کر دیں یہ کارروائی تھی جو دو روز کی حکومت میں کی گئی۔ اور یورپ کے مسیحیوں کے دامن پر یہ دھبے ہیں جنکو مٹا کے اب پاکدامن بنتے ہیں

اطراف شام میں بھی جن جن شہروں پر عیسائیوں کا قبضہ ہوا وہاں کے عام اہل اسلام کے ساتھ بھی اسی قسم کا برتاو ہوا۔ اور تمام سرزمین شام ان ظلموں سے بھر گئی اب اس کے بعد سلطان صلاح الدین کے اس برتاو کو دیکھئے۔ جس کو ہم بیان کر چکے ہیں کہ بیت المقدس کو فتح کرکے اس نے کیسی رحمدلی ظاہر کی۔ اسی زمانے میں عیسائیوں کو مصریوں کے مقابل بھی ایک فتح نصیب ہوئی تھی۔ اگرچہ ہفتہ ہی بھر کے بعد پھر مسلمانوں نے زک دیدی۔ مگر اُس ایک ہفتہ میں کون ظلم تھا جو اُٹھا رکھا گیا۔

یورپ میں اسپین کو مسلمانوں نے فتح کر لیا تھا۔ خود یورپین تاریخیں گواہ ہیں کہ وہاں آٹھ سو برس تک مسلمانوں نے عیسائیوں کے ساتھ کیسی مراعات جاری رکھی اور انکو کسقدر آزادی حاصل تھی۔ اور بنو امیہ کا دربار اُن کو کس عزت کے ساتھ اپنے تقرب کی عزت دیتا رہا۔ لیکن جب وہاں مسلمانوں پر زوال آیا۔ اور حکومت مسلمان فرمانرواؤں کے ہاتھ سے جاتی رہی۔ تو کیسا برتاو مسیحیوں نے وہاں کی مسلمان رعایا کے ساتھ کیا؟

اسکو دنیا کبھی بھول نہیں سکتی۔ اس وقت غریب مسلمانوں کو کسی شہر کسی گاؤں کسی قریہ بلکہ کسی پہاڑ اور کسی جنگل میں بھی پناہ نہیں ملتی تھی۔ مسیحیوں نے ملک بھر میں اپنی عملداری قائم کرنے کے لئے کسی مسلمان کو بھی نہیں چھوڑا۔ جس کا نتیجہ یہ ہے۔ کہ آج وہاں ایک متنفس بھی نہیں۔ جو خدائے واحد کا نام لینے والا ہو۔

ابھی کل کا ذکر ہے کہ بلغاریہ سرویہ وغیرہ میں مسلمان بچے ماؤں کی گود سے چھین چھین کے قتل کئے گئے۔ عورتیں بے حرمت کی گئیں۔ مسجدوں میں آگ لگا دی گئی۔ ہزاروں مسلمان ذبح کر ڈالے گئے۔ اس کا کسی نے نام بھی نہ لیا۔ سارا یورپ ہولی الائینس کی رسیوں میں جکڑا بیٹھا رہا۔ اور جب ترکوں نے اُن مظالم کے انتقام اور بغاوت کے فرو کرنے کیلئے اپنی فوجیں روانہ کیں۔ تو سارا یوروپ چیخ اٹھا۔ روس جرمن اور آسٹریا کی طرف سے ظالم باغیوں کی اعانت کیگئی۔ روپیہ اور اسلحہ سے مدد دی گئی غیر وہ سب تو نالائق بتائے جاتے ہیں۔ ہمارا انگلستان جس کا آزادی اور انصاف پسندی کا نام لیتے لیتے پھیپھڑا پھولا جاتا ہے۔ اُسمیں بھی ہر چہار طرف دہائی مچ گئی۔ اور مسٹر گلیڈسٹون لبرل بلکہ ریڈیکل خیالات کو خیرباد کہہ کے چلا اُٹھے کہ "ترکوں کو مع اُنکے پاشاؤں اور قائم مقاموں کے یورپ سے نکال باہر کرو۔ اور کہدو کہ اپنا اختر انجر اسنبھالیں"

قدیم جہالت کے زمانوں کو جانے دیجئے۔ یہ اس زمانے کا ذکر ہے۔ جو تہذیب کا زمانہ ہے۔ اور ان لوگوں کا حال ہے جو تہذیب و آزادی کے سرتاج خیال کئے جاتے ہیں۔ اگر وزارت انگلستان کی کرسی پر وہ لائق اور غیر متعصب شخص نہ ہوتا جس کی رگوں میں بنی اسرائیل کا خون دوڑ رہا تھا یعنی لارڈ بیکنسفیلڈ اور قسطنطنیہ میں سفارت برطانیہ کو سر ہنری ایلیٹ کا ایسا راست باز انگریز نہ رونق دے رہا ہوتا۔ تو بیشک انگریزی فوجیں بھی ترکوں کے مقابل میں صف آرا ہوتیں۔ اور تین عظیم الشان دول یورپ یعنی روس۔ جرمن آسٹریا کا اتحاد ثلثہ اتحاد اربعہ ہو جاتا۔ اور یورپین قوتوں کے چاروں زبردست عناصر اس میں شامل ہوتے۔ و نیز اسلام ہمیشہ لارڈ بیکنسفیلڈ اور سر ہنری ایلیٹ کی ممنون ورنہ یورپ اور مسیحیوں کی دنیا سے نہ اسلام کو کبھی ہمدردی کی امید ہوئی۔ اور

نہ ہو سکتی تھی۔ بخلاف اس کے آج بارہ سو برس کا زمانہ ہوا کہ مسلمان ایشیا کے یہودیوں
اور عیسائیوں پر حکومت کر رہے ہیں۔ اُن کی رعایا میں لاکھوں نہیں کروڑوں
کا مذہب عیسائی رہا اور ہے۔ لیکن اُن کے ساتھ جیسا برتاؤ رہا جس بیدار مغزی سے
اُنکے جان و مال کی نگہداشت کی گئی جس فیاضی سے وہ اپنے مذہبی ارکانوں اور
آداب کے بجالانے میں آزاد رکھے گئے اُسکی کی ایک مثال بھی عیسائی نہیں پیش کر سکتے
اور پھر کتنی بڑی شرم کی بات ہے کہ اُلٹے مسلمانوں کو الزام دیا جاتا ہے۔ وہ ظالم ہیں
وہ جلاد ہیں وہ اپنی سرکار کے وفادار نہیں۔ اُن کا مذہب جہاد ہے۔ اُن سے سلطنت
کو ہمیشہ ڈرنا چاہیئے"۔ شرمائیں وہ جو کہتے ہیں مسلمان جلاد ہیں۔ نہیں بلکہ اُن میں
اتنا ضرورت سے زیادہ رحم تھا کہ انہوں نے جلادوں سے ظلم و ستم کا بدلہ نہیں لیا اور معاف کر دیا۔

دین عیسوی کی ترقی کے اسباب

نمبر ۲

حضرت مسیح کے بعد وہ چند محدود اور گنتی کے لوگ جو آپکے ساتھ رہتے اور ایمان
لائے تھے سب ایسے پریشان ہوئے کہ بیت المقدس چھوڑ کے بھاگ کھڑے ہوئے اور
قریب تھا کہ دین مسیحی کا یہیں پر خاتمہ ہو جائے۔ مگر خدا کی مرضی میں تھا کہ یہ مبارک دین
جو قدیم شریعت یہود کی تکمیل کرنے والا اور موجودہ اغراض و مذاق زمانہ کے موافق تھا
ترقی کرے۔ اور زمین کے ہر کونے میں پہنچ جائے۔ یروشلیم سے ایک ہی دن کے راستے پر گئے
تھے کہ حواریین[1] کو اپنے راستباز اور مخبر صادق مقتدا و استاد کی زندگی یاد آئی انھوں
نے خیال کیا کہ زمانے کی مخالفت اور عام سربرآوردہ لوگوں کی عداوت کو حضرت مسیح کس بے
پروائی کی شان سے ٹال دیتے تھے پھر تقدیر نور ایمان اُن کے دلوں میں چمکا اور وہ پھر یروشلیم
میں آئے اور آمادہ ہو گئے کہ جس امر عظیم کی بنیاد حضرت مسیح نے ڈالی تھی اُسے تکمیل کو پہنچا کر

[1] عیسائیوں کا اعتقاد ہے کہ حضرت مسیح ہی نے اُن پر ظاہر ہو کے انھیں کامیاب ہونے کی بشارت
دی اور تاکید کی کہ خبردار بیت المقدس چھوڑ کے نہ جانا۔ دیکھو اعمال حواریین کتاب عہد جدید۔

لیکن جس دین اور جن اصول کی تکمیل کے لئے وہ آمادہ ہوئے تھے وہ بظاہر اسباب ابھی تک بالکل ناکمل نظر آتے تھے۔ حضرت عیسیٰ کو تبلیغ اور ہدایت خلق اللہ کی بہت ہی تھوڑی مہلت ملی تھی۔ صرف تین سال کے اندر بعثت۔ نبوت۔ تبلیغ ارشہادت! عیبت جو سمجھئے سب باتیں ختم ہو گئیں۔ سوا اُن چند موقعوں کے جب آپنے مقتدایانِ یہود سے مباحثہ کیا یا اُن خاص اوقات کے جب آپنے کسی مجمع میں کھڑے ہو کے پند و نصائح کا دروازہ کھول دیا اور کوئی ایسا دستور العمل ہی نہیں مل سکتا تھا جس کی پابندی میں کوئی خاص شریعت عیسوی قائم کی جا سکتی۔ اس دین کو حضرت مسیح یہاں تک ناتمام چھوڑ گئے تھے کہ کوئی خاص طریقہ عبادت بھی آپ نہیں تعلیم کرنے پائے تھے۔ چونکہ آپ کی نبوت کی زندگی صرف مروجہ اور حد سے گزری ہوئی رسوم و قیود کے توڑنے ہی میں مصروف رہی۔ لہذا ابتدائی عہد کے مسیحیوں نے جب آپ سے چھوٹنے کے بعد غور کیا تو اُن کو یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ اُس خدائے واحد ذوالجلال کی پرستش کرنا چاہیں تو کیونکر کریں۔

اس نقصان کے رفع کرنے کے لئے اگرچہ ابتدائی عہد کے مسیحیوں کو بار بار کسی جن یا بھوت کی طرح روح القدس کو اپنے سر پر بلانا پڑتا تھا مگر سچ یہ ہے کہ عیسویت کی کامیابی و ترقی کا اصلی سبب یہی چیز ہوئی۔ در حقیقت اس دین کی عام ترقی و رواج کے چھ سبب ہوئے (۱) دین یہود کا عام دنیا میں پھیلا ہونا اور اُس کے آئین و اصول مذہبی کا اُس وقت کے تمام مہذب ممالک میں حیرت سے دیکھا جانا (۲) مسیحی مذہب کا آسان اور اس قابل ہونا کہ ہر مذاق و ہر ملک اور ہر قوم کے رسم و رواج کے سانچے میں ڈھل جائے (۳) ابتدائی زمانے کے عیسائیوں کی خالص و بیریا لے الاہیت اور اُن کے اخلاق و عادات کا مستقل اور غیر متغیر ہونا (۴) آئندہ زندگی کا کامل اور بے شبہ یقین۔ (۵) عیسائیوں کا باہمی اتفاق۔ (۶) ابتدائی کلیسیا اور پہلے دور کے مسیحیوں کے کرامات و خوارق عادات۔ جو اُس دنیا اور اس زمانے کے دلوں پر بہت پوری گرفت رکھتے تھے۔

پہلا سبب اس لئے کہ یہودی بابل کی واپسی اور یونانیوں سے ملنے جلنے کے
جب اقطار ارض میں پھیلنا شروع ہوئے ہیں تو ہر ملک اور ہر قوم نے انھیں نہایت
ہی حیرت کی نگاہوں سے دیکھا۔ ہر جگہ وہ ایک عجیب اور اس کے ساتھ پسندیدہ قوم
نظر آتے تھے۔ بت پرست متحیر تھے کہ یہ کس سختی اور اہتمام سے اپنے مذہب کی ادنے
سے ادنے رسم کو برتتے ہیں۔ اُن کا خدا بتوں کے مقابل میں کسقدر اچھا اور دل پر اثر
کرنے والا ہے۔ ہیکل سلیمانی کی جو وقعت یہودیوں کے دل میں نظر آتی تھی وہ
وقعت کا پتہ اپنے مندر اور بت خانہ کی نسبت کسی بت پرست کو اپنے دل میں نہیں
لگتا تھا۔ پھر اس کے ساتھ یہود کا خودداری اور خودپسندی کا غرور اپنے منتخب و برگزیدۂ
بارگاہ لم یزلی ہونے کا دعویٰ۔ ہر مخالف کے خیال میں اُنکو اس قدر معزز ثابت کرتا
تھا کہ اکثر غیر مذہب والے اُن پر حسد کرتے تھے۔ مذہب یہود کی اُس دنیا اور اس
زمانے کی دیگر اقوام میں وہی حیثیت تھی جو جاہلوں میں کسی تعلیم یافتہ کو یا موجودہ زمانے
کے ضعیف الاعتقادوں میں نئے خیال کے محققوں کو حاصل ہے کہ مخالفین بُرا
بھی کہتے ہیں اور اس کے ساتھ دل میں اُن پر حسد بھی کرتے ہیں۔ الغرض مذہب
یہود کی خوبیوں نے قریب قریب ساری دُنیا کو اپنا فریفتہ تو ضرور بنا لیا تھا لیکن
اس دیانت کے بعض راستے اور دروازے بند تھے کہ کوئی غیر قوم کا شخص یا غیر اسرائیلی
حق پسند اس مذہب میں شامل ہو سکے۔ مسیحیت ابتداءً خاص ارض یہود اور ہیکل سلیمانی
سے اور ایک یہودیوں ہی کے فرقہ کی شان سے نمودار ہوئی۔ اور سب کو کیا بت پرست
اور کیا ملحد۔ کیا عالم اور کیا جاہل۔ کیا بُرا اور کیا بھلا۔ خلاصہ یہ کہ ساری خدائی کو
اپنی طرف بلانے لگی۔ عام دنیا کے خیال میں یہ کوئی نیا مذہب نہیں جاری ہوا
تھا بلکہ یروشلیم کے معبد میں داخل ہونے کا دروازہ کھلا تھا۔ یا یوں کہا جائے کہ
بنی اسرائیل کے عام پسند خدا کے ملنے کا ذریعہ پیدا ہو گیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جس
ملک میں اور جتنے لوگ یہودیوں کے دین کو پسند کر رہے تھے اور جن کو ان حق پرستوں
کی ادا بھاگئی تھی یہ سب کے سب یہودی بننے کے دھوکے میں عیسائی ہونے لگے۔ الغرض

یہودیت اور ملت موسوی کی تمام خوبیوں سے دین مسیحی نے فائدہ اُٹھایا۔
دوسرا سبب یعنی دین مسیحی کا آسان ہونا اور ہر قوم و ملت کے مذاق کے
سانچے میں ڈھل جانا درحقیقت یہی سب سے بڑی دلکشی اور دلفریبی تھی
جس نے ہر قوم کے لوگوں کو جناب مسیح کے دین کی طرف کھینچا۔ اس آسانی
و تغیر پذیری کا اصلی باعث وہی تھا جو ہم اوپر بیان کر آئے ہیں کہ حضرت مسیح
کو یہودیوں کی بُری رسوم کے توڑنے سے ابھی اتنی فرصت ہی نہیں ملی تھی کہ
اپنے متبعین کے لئے کوئی خاص عقائد اور خاص شریعت جاری کرتے۔ وہ کفر
و بدتمیزی کا زور توڑتے ہی توڑتے دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اور جب ایسے عقائد
و شرائع کے بنانے کی ضرورت ہوئی اُس وقت مختلف مذاق و خیال کے لوگ
مسیحیت میں شامل ہو کے خود اس دین کے مالک بن گئے۔ اور اپنے اغراض و
خیالات کے مطابق جیسی ترمیم چاہی کر لی۔ اگرچہ پراٹسٹنٹ مذہب ابھی اُس
خالص توحید کو نہیں پا سکا جس کا مکمل اور سچا ڈوکیومنٹ دین عرب نے کر لیا تھا
لیکن مسیحیت کے اُس آخری ریفارم سے قطع نظر کر کے اگر پرانے اور قدیم دین کو
دیکھئے تو صاف نظر آتا ہے کہ دنیا میں ایک یہی مذہب ہے جو خدا پرستی و بت پرستی
کے درمیان میں واسطہ ہے۔ جتنا سامان (اس دین) میں خدا پرستی کا موجود تھا اتنی
ہی دلکشیاں ایک بت پرست کے لئے بھی اُسی مذاق و شوق کے مطابق دکھائی
جا سکتی تھیں۔ حضرت عیسٰی کے بعد جن لوگوں کے ہاتھ میں مسیحیت کی قسمت
دی گئی اُن کی پالیسی تھی کہ "ملاپ گبر سے مومن سے بول چال رہے"!
وہ اپنی طرف جس طرح یہودیوں کو بلاتے تھے اُسی طرح رومی و یونانی بت پرستوں کو
لہٰذا ضرور تھا کہ ایسی باتیں جو دونوں کے ذوق و عقائد کے مطابق ہوں اس دین
میں موجود ہوں۔ اُن کی قدیم پالیسی نے دین عیسوی کی ایسی صورت بنا دی تھی کہ
بت پرستوں کو مذہب بدلنے میں یہ نہیں نظر آتا تھا کہ وہ اپنے آبائی دین سے
بالکل علیحدہ ہوئے جاتے ہیں۔ بلکہ ایسا معلوم ہوتا تھا اور انھیں ایسا ہی دکھلانے

کی کوشش کی جاتی تھی کہ گویا ایک بے اصول و پادر ہوا بت پرستی کو چھوڑ کے
ایک مہذب و شائستہ بُت پرستی اختیار کر رہے ہیں۔ واقعی عیسویت کے
پاس اُن دنوں یہ سب سے زیادہ فتحیاب کرنے والی کمند تھی۔ جس کی مدد
سے اُنھوں نے رومیوں کو اپنا بنانا شروع کر دیا۔ اور آخر کامیاب ہو گئے۔

تیسرا سبب اُس ابتدائی دور کے پادریوں کی بے ریائی اور اُن کی
نہایت ہی استقلال و تحمل کے ساتھ اپنے اصول کی پابندی تھی۔ اسمیں شک
نہیں کہ مقتدایان یہود میں انتہا درجہ کی ریاکاری تھی جس کو حضرت مسیح نے اول
سے آخر تک سخت نفرت و حقارت کی نگاہ سے دیکھا تھا۔ اسی سبب سے پہلے
دور کے عیسائیوں میں ریاکاری نام کو بھی نہ تھی۔ وہ ظاہر و باطن یکساں
دکھاتے تھے۔ اور پھر اس کے ساتھ کبھی اپنے مذہبی اصول و اغراض سے
درگزر نہ کرتے تھے۔ انسانی فطرت کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں
کہ دنیا میں تسخیر یا کامیابی کا سب سے بڑا عمل "دھن اور صبر" ہیں اسی عمل کو
عیسائیوں نے بڑے جوش و خروش کے ساتھ اپنا ذریعہ کامیابی قرار دیا۔
ابتداءً یروشلیم میں کوئی سختی اور کوئی جور نہ تھا جس سے مقتدایان یہود کے
ہاتھوں چند شکستہ حال مسیحیوں کو سابقہ نہ پڑا ہو۔ مارے وہ گئے۔ لوٹے اسیر
پڑے۔ قیدیں انہوں نے بھگتیں۔ سنگسار وہ ہوئے۔ سب کچھ ہوا مگر یہ
نہ باز آئے کہ اپنے دین کی تبلیغ و دعوت سے باز آجائیں۔ پھر اسکے بعد ایسا ہی
سابقہ انہیں روم و مصر کے بت پرستوں سے پڑا۔ وہاں جلوائے وہ گئے۔ وحشی
درندوں کے سامنے وہ ڈالے گئے۔ جلاوطن اور خارج البلد وہ کئے گئے۔ الغرض
ہر طرح کی ذلت و مصیبت اُٹھائی۔ مگر اپنی دھن نہ چھوڑنا تھی نہ چھوڑی۔ انھیں
مستقل مزاجیوں۔ اسی قسم کے تحمل و برداشت نے آخر اُنھیں فتحیاب کیا۔ اُنکے
اس صبر نے خود ظالموں اور مظلومی کا تماشا دیکھنے والوں کے دل پر یہ اثر
پیدا کیا کہ بے شک یہ لوگ سچے ہیں۔ اگر ان عقائد کا انھیں یقین کامل نہ ہوتا

تو ممکن نہ تھا کہ ایسے ایسے مظالم اٹھانے پر اپنے دین سے دست بردار نہ ہو جاتے۔

اس زمانہ میں یہودیوں اور عیسائیوں میں یہ عام خیال پھیلا ہوا تھا کہ جو فرشتہ اور روحانی ارواح خدا کی نافرمانی کی سزا میں درگاہ الٰہی سے نکال دئے گئے ہیں وہ دنیا میں مارے مارے پھرتے ہیں اور ہمیشہ اس کوشش میں رہتے ہیں کہ انسانوں کو اپنے اصلی خالق کی طرف سے بہکا کے شرک و کفر اور اپنی ہی سی نافرمانی میں مبتلا کر دیں۔ عیسائیوں نے رومیوں اور یونانیوں کے معبودوں کو انھیں نافرمان شیاطین کا معبد تصور کیا۔ اور یقین کر لیا کہ اسی قسم کے شیاطین میں سے ایک جو پیٹر اور ایک وینس ایک منرو اور ایک اپالو ہے۔ جو روم و یونان کے بڑے بڑے دیوتا تھے۔ اُن کی عبادت کو وہ شرک و کفر خیال کرتے۔ اور اُن کے عقائد کے خلاف رومیوں اور یونانیوں کی کوئی اخلاقی اور خانہ داری کی رسم نہ تھی جس میں کسی نہ کسی پہلو سے ان دیوتاؤں کے آگے سر نہ جھکانا پڑتا ہو۔ اور جب اُنھیں رومیوں میں سے لوگ عیسائی ہوئے تو اُن کو بڑی بڑی دشواریاں پیش آئیں۔ اُٹھتے بیٹھتے ہر حالت میں اپنے دوستوں عزیزوں یہانتک کہ بی بی بچوں تک سے اُنھیں مخالفت و عداوت مول لینا پڑتی۔ اس حالت میں اُنھوں نے ہمیشہ استقلال دکھایا۔ اور کبھی یہ نہ گوارا کیا کہ بتوں کے آگے سر جھکا دیں۔ سلطنت روم کی طرف سے اُن کی سزا دہی کے لئے قوانین مقرر ہوئے۔ ساری رعایا عداوت و آزار رسانی پر آمادہ ہو گئی۔ قتل ہوئے مارے گئے۔ سب کچھ ہوا۔ لیکن یہ نہ ہوا کہ کبھی کسی مسیحی کے قدم کو لغزش ہو گئی ہو۔ اگرچہ رومیوں ہی کے میل جول سے فطرۃً اُن میں بہت سی رسوم شرک پیدا ہو گئیں۔ اور آخر کار دین عیسوی ایک موحدانہ مذہب نہیں بلکہ تصویر پرست اور مشرک قوم کا نمونہ بن گیا۔ مگر اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اُنھوں نے یونانی بتوں کو ہمیشہ حقارت

کی نظر سے دیکھا۔ اور اسی استقلال کی برکت سے آخر کامیاب ہوئے۔

چوتھا سبب آیندہ زندگی یعنی اور نجات کا صاف وعدہ تھا۔ یہ ایک ایسی بات ہے کہ شاید مسلمانوں میں بہت کم لوگوں کو معلوم ہوگی اور غالبًا ہمارے پرانے مذاق کے لوگ اس کے ماننے کے لئے بھی ابھی تیار نہ ہوں گے۔ لیکن جب قدیم مذاہب کے اصول اور دو ہزار سال سے پہلے کی تاریخوں پر نظر ڈالیں گے تو انھیں معلوم ہو جائیگا کہ دوسری زندگی اور نجات کا مسئلہ مسیح سے پہلے نہایت ہی پیچیدہ حالت میں چلا آتا تھا۔ درحقیقت اس مسئلہ کو ایک حیثیت سے وہ قدیم مذاہب ضرور مانے رہے تھے جو کھلی اور صاف بت پرستی میں روحانیات کی نازک خیالیاں ملا کے مہذب بنائے گئے تھے۔ چینیوں اور ہندؤں کا فلسفۂ الٰہی وہاں تک پہونچا نہ تھا۔ اور اگر پہونچا بھی تو اُس کی شان قریب وہی رہتی جو قدیم یونانیوں اور رومیوں کے الٰہیات کی تھی۔ صرف فرق اتنا تھا کہ ان لوگوں نے وجود مطلق کو خدا ان کے اُسی کے مختلف تنوعات اور مظاہر کو مخلوق بتایا تھا۔ لہذا درصل اُن کے نزدیک وہ دوسری زندگی اور ترقی انسانی کا حقیقی اور اصلی مرکز و مرجع یہی تھا کہ انسان مخلوقیت کے تشخصات چھوڑ کے وجود مطلق سے جا ملے۔

اُسی سے ملتے ہوئے اصول زرتشتیوں کے تھے جو اُس وجود مطلق کو یا خدا کو نور محض سے تعبیر کرتے تھے۔ اس سامنے کے آسمان اور اُن اوپر کے جگمگاتے ہوئے تاروں میں اُن کو مرکز نور اور سرشتستان نظر آیا تھا۔ اسی کو وہ عالم آخرت اور اچھی روحوں کا مرکز تصور کرتے تھے۔ اور یقین کرتے تھے کہ اچھی روحیں کواکب یا انھیں کے مثل بن کے ہمیشہ چمکتی رہتی ہیں یونان و روم کے بت پرستوں کو بھی یہ تارے وہی انسان نظر پڑے تھے جنہوں نے دیوتا یا خدا ہونے کا درجہ حاصل کر کے دائمی زندگی پالی۔ اگر تعمق

کی نظر سے دیکھا جائے تو اُسی آسمان اور اس کے تاروں سے تمام قدیم مذاہب کو دوسرے عالم اور انسان کی آئندہ زندگی کا پتہ ملا تھا۔

بہ خلاف ان سب کے یہود کے مذہب میں یہ بڑا بھاری نقصان نظر آتا تھا کہ اُن کے نزدیک انسان کی زندگی بس اسی عالم دنیاوی کے ساتھ وابستہ تھی۔ حضرت موسیٰ کی تمام تعلیمیں اور بعد کے انبیائے بنی اسرائیل کی ترغیب و ترتیب کا تعلق صرف اسی دنیاوی زندگی کے انقلابات پر محدود تھا۔ یہودیوں میں نیکی کا ثواب اور برائی کی سزا اسی دنیا میں ملتی تھی۔ اور توراۃ میں کوئی ایسا بیان نہیں موجود تھا جس سے اس دنیاوی زندگی کے سوا کسی اور آئندہ زندگی کی اُمید کی جا سکے۔ یہود انھیں خیالات کے پابند چلے آتے تھے کہ دنیا میں آئندہ زندگی کا مسئلہ پیدا ہوکے اور غالباً زرتشتیوں سے شروع ہوکے ہر مذہب اور ہر قوم میں پھیل گیا۔ آخر یہودیوں کو بھی نظر آیا کہ بے شک مذہب کے لئے ایک عالم آخرت کی ضرورت ہے۔ اسیری بابل کے بعد جب وہ ارض یہودا میں آئے ہیں۔ اور حضرت عزرا کی کوشش نے اسرائیلی مذہب کی از سر نو تدوین و تہذیب شروع کی ہے اُس وقت اُنھیں اپنی شریعت کا یہ عظیم الشان روحانی نقصان نظر آیا۔ اُسی زمانے سے اُن کے مقتداؤں کے دو گروہ ہو گئے تھے۔ صدوقی اور فریسی۔ صدوقیوں کا شمار قوم یہود کے تعلیم یافتہ مہذب اور بڑے سخت حامیان دین میں تھا۔ اُن لوگوں نے روح کے غیر فانی ہونے۔ کسی دوسرے عالم۔ اور زندگی بعد موت سے قطعاً انکار کر دیا۔ اُن کا دعوی تھا کہ ایسے کسی مابعد موت عالم اور روح انسانی کی ابدی زندگی کا ثبوت جناب موسیٰ کی تعلیمات سے نہیں نکلتا۔ لہٰذا ہم اُس کے قائل اور معتقد بھی نہیں ہو سکتے۔ مگر فریسیین نے

۵؎ غالباً بعض مسلمان کہیں گے کہ توراۃ میں حضرت آدم کے جنت میں رکھے جانے اور پھر اغوائے شیطان سے نکالے جانے کا بیان موجود ہے جس سے جنت اور فردوس بریں کا صاف پتہ

اس دوسری زندگی کو تسلیم نہ لیا۔ اور توراۃ چھوڑ کے بعض مشہور روایات قدیمہ کے اشارات سے اس کا ثبوت بہم پہونچایا۔ یہود کے دونوں گروہوں میں مدتہائے دراز تک یہ اختلافات چلے گئے مگر حضرت مسیح کے زمانے سے چند روز پیشتر اور خاصتہً ہیروڈ کے خاندان کے عہد میں عالم آخرت کے یقین کو عام دنیا اور ہر قوم وملت کے عقائد پر حاوی دیکھ کے صدوقیوں نے بھی اپنی قدیم ضد چھوڑ دی اور فریسیوں کے ہم زبان وہم خیال ہو گئے۔ یہ ظاہر ہے کہ یہودیوں کی قوم نہایت ہی سخت ضدی اور متعصب تھی۔ لہذا جب انہوں نے اس مسئلہ کو تسلیم کر لیا تو اس جوش وخروش سے اس کی جانب متوجہ ہوئے کہ پھر شاید زندگی آخرت پر کوئی ان سے زیادہ یقین رکھنے والا بھی نہ ہوگا۔ مگر باوجود اتنا یقین ہو جانے کے اُن کے خیال میں عالم آخرت کا نقشہ بالکل موہوم اور کسی ایسے مکان کے مثل تھا جو گھٹا ٹوپ اندھیرے میں غائب ہو۔ اس لئے کہ کتب دینی اور مذہبی تصانیف میں ایسا ایک جملہ بھی نہیں موجود تھا جو اُس عالم آخرت کی کچھ نوعیت وحالت بتاتا۔

قوم یہود یا مسلمانوں کی اصلاح میں انبیائے بنی اسرائیل میں سے حضرت عیسیٰ ہی پہلے شخص تھے جنھوں نے جنت ودوزخ کا حال وضاحت سے بتایا۔ عذاب وثواب کی صورتیں ظاہر کیں۔ اور اُس تمام دنیا کو اپنی طرف متوجہ کر لیا جو اُن دنوں اس مسئلہ کو دین کا سب سے پہلا اور اہم مسئلہ خیال کرتی

(بقیہ صفحہ گذشتہ) چلتا ہے مگر ایسا نہیں ہے۔ اس واقعہ کو جس طرح ہم مان رہے ہیں یہ قرآن کے بیان کے مطابق ہے۔ توراۃ میں یہ لکھا ہے کہ خدا نے آدم کے پیدا کرنے کے بعد عدن میں ایک باغ بنایا۔ اُسی میں آدم وحوا کو رکھا اور جب نافرمانی ہوئی تو اُس باغ سے اُن کو باہر نکال دیا۔ نہ اُس میں لفظ ہبوط ہے جس سے آدم کے اوپر سے نیچے گرنے کا ثبوت ہو اور نہ یہ مذکور ہے کہ وہ باغ دنیا کے سوا کسی اور جگہ تھا بلکہ بخلاف اسکے لکھا ہے کہ شہر عدن میں جو جزیرہ نمائے عرب کا جنوبی ومغربی بندرگاہ ہے وہیں یہ باغ بھی تھا۔ الغرض توراۃ میں کوئی جملہ ایسا نہیں جس سے اس عالم دنیاوی کے سوا کسی اور عالم کا یقین کیا جا سکے۔

تھی۔ اور اپنی ساری ذہانت وطباعی کو اسی عالم آخرت کے نکات ورموز کے حل کرنے میں صرف کر رہی تھی۔ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس وقت حضرت عیسیٰ کا عالم آخرت اور انجیل کی جنت تمام مذاہب وعلمائے روحانیین کی جنتوں سے زیادہ دلچسپ ودلکش نظر آئی۔ اور اسی جنت کے شوق میں یہودی اور رومی دیونانی بُت پرست اس دین کو اپنے قدیم ادیان سے زیادہ دلفریب اور اچھا تصور کر کے بے تکلف اختیار کرنے لگے۔

پانچواں ذریعہ ترقی اس مذہب کے لئے قدیم اور دور اولین کے عیسائیوں کا باہمی اتفاق تھا۔ یہ فلسفیانہ مسئلہ ہر شخص کے نزدیک مسلم ہے کہ مظلومی ہمیشہ اتفاق پیدا کرتی ہے،، درحقیقت اس سے اگر پورا فائدہ کسی قوم نے اُٹھایا ہے تو وہ عیسائی ہیں۔ جناب مسیح کے بعد ہی یہ لوگ کچھ ایسی شان سے آپس میں ملے کہ ملکیت اور جائداد میں بھی باہم فرق نہ کرتے تھے۔ ایک ساتھ رہتے۔ ایک ہی ساتھ کھاتے پیتے۔ اور ایک ہی خیال ہر شخص کی زبان سے ظاہر ہوتا۔ اُن کے اُس پہلے اتفاق کو یہودیوں اور پھر اُن کے بعد رومیوں نے ایک بڑی سازش تصور کیا۔ اور ہر غیر شخص اسی ٹوہ میں رہتا کہ یہ لوگ اکیلے بیٹھ بیٹھ کے کیا باتیں اور کیا منصوبے کرتے ہیں۔ اگرچہ فوراً ہی فرقے پیدا ہونا شروع ہو گئے تھے۔ مگر ہر فرقہ کی ایک محدود جماعت اتفاق ویکجہتی میں پوری گرمجوشی دکھاتی۔ اور ہر ایک کی کانگری گیشن (جماعت مذہب) ایک مذہبی یا اخلاقی سوسائٹی کی شان سے ایک ہی عقیدے اور ایک ہی خیال کی پابند تھی۔ جب دین مسیحی ترقی کرنے لگا۔ اور تبلیغ ودعوت میں پہلے مسیحیوں کو بے انتہا کامیابی نظر آئی تو اُنکے داعیوں یا مشنریوں میں حوصلہ اور اولوالعزمی پیدا ہوئی۔ اور ہر ایک اپنے حوصلہ اور اپنی ہمت کے مطابق دور دور دراز کے ملکوں میں جاکے مسیحا کی آسمانی بادشاہت کی منادی کرنے لگا۔ اسی قدیم عہد میں اُن کے داعی ایک طرف روم سے بڑھ کے ہسپانیہ اور یورپ کے دور افتادہ

اور دشوار گزار ممالک میں اور دوسری طرف افریقہ وسواحل عرب سے
گزرتے ہوئے ہندوستان کے ساحلی بلاد میں جا پہونچے مگر اسقدر
پھیل جانے کے بعد بھی اُن کی باہمی یک جہتی واتفاق میں فرق نہیں
آنے پایا۔ اور جب اتنا اتفاق تھا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ وہ کامیاب نہوتے

چھٹا سبب اُس ابتدائی کامیابی اور پہلے دور کے مسیحیوں کے کرامات
وخوارق عادات تھے جو لوگوں کے مطیع بنانے میں اُن دنوں سب سے زیادہ
دخل رکھتے تھے۔ اب اٹھارہ اُنیس صدیوں کے انقلابات نے موجودہ مہذب دنیا
کی نظر میں حقانیت اور خداشناسی کا معیار کسی اور ہی چیز کو قرار دیدیا
ہے۔ مگر جن دنوں حوارین کے شاگرد جناب مسیح کا دین لے کے دنیا میں نکلے
ہیں اُس وقت ہر جگہ اور ہر قوم میں خوارق عادات۔ خدا شناسی کی دلیل
تصور کئے جاتے تھے۔ اور کرشمہ پرستی ہر قوم اور ہر مذہب کے دل ودماغ پر
حکومت کر رہی تھی۔ طیبی طوس مورخ کے ہم خیال چندہی لوگ ہیں گے جنہوں
نے ان باتوں کو ضعیف الاعتقادی خیال کیا۔

یہ بات بڑی حیرت کی ہے کہ موجودہ مسیحین جو آج خلاف فطرت باتوں سے
انکار کرنے میں اپنی آواز سب کے پہلے اور سب سے زیادہ بلند کرتے ہیں۔
اُنھیں کا مذہب اور وہی مذہب جس کو آج بھی وہ اُسی شان سے تسلیم
کرتے ہیں دنیا کے تمام مذاہب سے زیادہ خلاف فطرت باتوں پر مبنی ہے
ہندوؤں اور یونانیوں کی دیو مالائیں صرف چند گنتی کے عارضی خلاف قیاس امور
کی وجہ سے نوع انسان کے بچپن۔ اگلی دنیا کی سادہ لوحی اور سب کے بعد شعرا
کے مبالغوں پر محمول کی جاتی ہیں۔ مگر ہمیں اس وقت تک نہیں معلوم ہوا
کہ اپنے قدیم بزرگوں کے کرامات ومعجزات کو وہ کس بات پر محمول کرتے ہیں
دنیا کا کوئی مذہب اول سے آخر تک اس قدر خلاف قیاس نہ ہوگا جس قدر
کہ دین عیسوی ہے۔ خلاف قیاس باتوں ہی سے شروع ہوا۔ خلاف قیاس

باتوں ہی کی بدولت اُس نے ترقی کی۔ اور پھر خلاف قیاس امور ہی اصول دین قرار پائے۔ جو آج تک مخالفین کیا معنی خود متبعین اور پیروؤں کی سمجھ میں نہیں آتے۔ خود انجیل میں کچھ ایسی پیچیدہ زبان اختیار کی گئی ہے جو ہمیشہ مختلف شبہات اور پہلوؤں کو باقی رکھتی ہے۔ چنانچہ مسیحیوں کے بہت ہی پرانے ولی سینٹ آگسٹن کا قول ہے کہ بائبل کی جتنی باتیں میری سمجھ میں آئیں اُن سے وہ باتیں زیادہ ہیں جن کو میں نہ سمجھ سکا۔ ابتدا اسی سے ہوتی ہے کہ مسیح بے باپ کے پیدا ہوئے۔ آپ کے معجزات یہ تھے کہ مُردوں کو زندہ کرتے۔ جس کی کسی طرح تاویل بھی نہیں کیجا سکتی پھر عقائد کو دیکھئے کہ "وحدت فی التثلیث اور تثلیث فی الوحدۃ" جو ہنوز دنیا تک ایک مالا ینحل مسئلہ روحانی رہے گا۔ عبادت کا خیال کیجئے تو اور زیادہ حیرت ہوتی ہے کہ صلیب جس جاں ستان آلے سے مسیح کی جان لی گئی اور جس سے اس معصوم نبی برحق کو آزار پہونچا وہی یا تو کھلی کھلی معبود بنی ہے اور یا برکت کی چیز سمجھی جاتی ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مسیح کا گوشت کھانا اور اُن کا خون پینا سب سے بڑی عبادت ہے۔ اب ان ابتدائی واقعات کو چھوڑ کے حواریین اور قدیم بزرگان دین مسیحی کے حالات کا اندازہ کیجئے تو اور زیادہ حیرت معلوم ہوتی ہے۔ اُن کی ہر بات اور ہر ادا خلاف قیاس اور عجیب و غریب تھی۔ شریعت عیسوی میں حضرت مسیح جو نقصان چھوڑ گئے تھے۔ اُس کی تکمیل یوں ہوتی کہ روح القدس اکثر حواریوں اور دیگر نیک نفس مسیحیوں کے سروں پر آیا کرتی تھی۔ اور بالکل اسی طرح جس طرح کہ کوئی جن یا بھوت ہمارے زمانے کی جاہل اور ذلیل طبقہ کی عورتوں کے سروں پر آیا کرتا ہے۔ اس حالت میں وہ ازخود رفتہ اور اپنے سے باہر ہو جاتے تھے۔ اور جو کچھ اُن کی زبان سے نکلتا سب الہام اور روح القدس کا ارشاد تصور کیا جاتا۔ اگرچہ اب روح القدس کے

ا کیتھولک بیلیف مصنفہ جوزف فاڈی بردنو۔

سروں پر آنے کی وہ شان نہیں باقی رہی۔ جو کتاب عہد جدید کے اعمال حواریین میں نظر آتی ہے۔ مگر خوش عقیدہ پادریوں کے اعتقاد میں حصول علم و فضل کی یہی تھیوری ہے کہ روح القدس انسان کے سر پر آ کے اور اس کے جسم میں حلول کر کے واقفیت اور علم کے دروازے کھول دے۔ [۵]

مسیحیت کے مبتدعہ فرقے

نمبر ۳

ہم عیسائیوں کے چند مبتدعہ فرقوں کا حال بیان کرتے ہیں جو بہت قدیم زمانہ میں نکلے اور اکثر اوقات پولوس کے پیرووں پر بھی غالب آگئے۔ اسی امر کے ظاہر کرنے سے پتہ چل سکے گا کہ کیسے کیسے بیہودہ اور حماقت کے خیالات کا اثر عیسویت پر پڑتا رہا ہے۔

ناصرئین کی عداوت اور اُنکی راستبازی و حق پسندی کے مٹانے کیلئے پولوس ہی کے معتقد کیا کم تھے کہ یکایک ایک نیا فرقہ پیدا ہوا جس کی بنیاد ناصرئین ہی کی عداوت اور یونان و مصر کے فلسفہ کی آمیزش سے پڑی۔ یہ ناسٹک فرقہ کہلاتا تھا۔ ان لوگوں نے توراۃ کی حقیت سے قطعاً انکار کر دیا۔ اور کہنے لگے شریعت موسوی کبھی سچی تھی ہی نہیں۔ پیدائش عالم کے پہلے ہفتہ۔ آدم و حوا۔ اور اُن کے جنت سے نکالے جانے کو اُنھوں نے لغو کہانیاں بتایا۔ اور ناصرئین کو الزام دینے لگے کہ یہودیت نے ہمیشہ دنیا میں ظلم کئے۔ موسی نے مخلوق الٰہی کو قتل کیا۔ اور دیگر مظالم میں مبتلا ہوئے۔ داؤد و سلیمان نے حرم سرائیں بھریں۔ لہذا تمام انبیائے سلف معاذ اللہ دنیا پرست اور ظالم تھے۔ صرف اکیلے مسیح ہیں جو حق کو لیکے دنیا میں آئے۔ ان باتوں کے ساتھ اُنھوں نے فلسفہ یونان کے بہت سے مسائل اور زرتشتیوں کے بعض اصول بھی تسلیم کر کے جزو دین بنا لئے۔ اُنھوں نے اعتدال سے اسی قدر

---

[۵] اعمال حواریین کتاب عہد جدید

تجاوز نہیں کیا بلکہ قدم مادہ کے قائل ہوگئے۔ اور خدا کو بھی ویسا خالق کل اور قادر مطلق نہ رکھا جیسا کہ تمام انبیائے بنی اسرائیل کی تعلیمات سے ظاہر ہوتا ہے۔ ان لوگوں کے خیالات نہایت سچی کیسے اور نازک مسائل فلسفہ الٰہی اور بڑے اصول تصوف سے لئے گئے تھے۔ ہم اُنکے چند خیالات اس موقع پر بتاتے ہیں۔ جن سے معلوم ہوجائیگا کہ اپنے عقائد کے دقیق کرنے اور مسائل روحانی کے شاندار بنانے کے لئے انھوں نے کس قدر دقیقہ سنجی اور نازک خیالی سے کام لیا ہے۔ تخلیق عالم کے مسئلہ میں وہ لکھتے ہیں[1]

"ہستی کا ایک ہی ازلی منبع کلی اور غیر محدود خدا ابدی عمق اور ابدی سکوت ہے جو زمانہ اور حدوث کے حیز سے اُدھر اپنی بے کنہ ذات کی تنہائی میں ہمیشہ رہتا ہے اُسی سے سارا عالم وجود میں آیا۔ پیدائش کے طریقہ سے نہیں بلکہ خروج کے طریقہ سے تمام دنیاؤں کی ہستی سے پیشتر اُس کی ابدی گہرائیوں سے ایک بڑے سلسلہ میں غیر فانی وجود نکلے۔ جو ایک ہی حقیقی و ابدی نور کی کرنیں ہیں۔ اُن میں سے ہر ایک اپنے ابدی باپ کی الٰہی زندگی میں شریک ہے۔ مگر سب بلحاظ سلسلہ پیدائش اپنے اصلی مرکز سے قریب و بعید ہونیکے مطابق کم و بیش زندگی رکھتے ہیں۔ یہ مختلف وجود جیو دل عقل۔ قوت۔ سچائی اور زندگی وغیرہ کے ایسے مختلف ناموں سے یاد کئے جاتے ہیں۔ دراصل خدا کی صفتوں اور قدرتوں کی تمثیلی شکلیں ہیں۔ ان سب سے مل کر روشنی اور زندگی کی روحوں کا وہ نورانی چراغ بنا ہے جسے ابدی باپ ہمیشہ اپنے غیر قابل بیان اور فرحت بخش حضوری سے روشن رکھتا ہے۔ یہ وہ حقیقی دنیا ہے۔ جس کا یہ دنیا ایک تاریک اور خیالی سایہ ہے"۔

جبکہ دنیا اس قسم کے پیچیدہ اور بہت بلند اور گہرے روحانی خیالات کی دیوانی ہو رہی تھی۔ اس فرقہ کے علما اور مقتداؤں نے ایسی شوکت الفاظ اور فلک

[1] کیمن صفحہ ۵۵ تاریخ کلیسیائے مسیحی مصنفہ ڈی کلمن۔

انسانی کو نہایت ہی بلند مقام پر لے جانیوالی تقریر نے بہت لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ مسیحی مورخوں کا دعویٰ ہے کہ اُن کے عقائد بہت ہی پیچیدہ اور بعید از ادراک تھے۔ مگر ہم امید کرتے ہیں کہ یہ پیچیدگیاں وحدت فی التثلیث اور تثلیث فی الوحدت کے مسئلہ سے زیادہ پیچیدہ نہ ہونگی۔ جن دنوں ناسٹک لوگوں کا دور دورہ تھا ناصری مسیحی اور پولوس کے پیرو دونوں اُن کے سامنے دبے ہوئے تھے۔ اس لئے کہ بت پرستوں اور روم و یونان و مصر کے فلسفیوں نے اس مذہب کو فوراً قبول کر لیا۔ اور وہ یہودی بھی انھیں روحانی عقائد کے گرویدہ ہو گئے۔ جن کے دماغوں میں افلاطون کے فلسفہ الٰہی نے ایک خاص قسم کا مالیخولیا پیدا کر رکھا تھا۔ خود عیسائی مورخوں کا بیان ہے کہ اس فرقہ کے لوگ اس عہد میں سب سے زیادہ شائستہ۔ خلیق۔ ذی علم اور صاحب دولت و عزت تھے۔ اور اُن کا اثر بھی سلطنت اور رعایا پر بہت زیادہ تھا۔

ناسٹک اصول کا ظہور شام و مصر سے شروع ہوا۔ اور بڑھتے بڑھتے یہ لوگ روم و یونان میں جا پہنچے۔ اور بعض اوقات اُن کے داعی اور مشنری پھرتے پھراتے مغربی یورپ کے دور دراز مقامات میں اپنے اصول کی تبلیغ و اشاعت کرنے لگے۔ موجودہ انجیل کی جگہ یہ لوگ ..... د[illegible] تاریخوں کو اپنا دستور العمل قرار دیتے تھے جن میں حضرت مسیح اور حواریین کے حالات اُن کے ملفوظات اور ان کی الٰہی صحبتوں کے تذکرے لکھے تھے۔

جب یہ فرقہ زیادہ پھیلا تو اس میں بھی مختلف عقائد و متضاد اصول پیدا ہونے لگے آخر یہاں تک تجزیہ ہوا کہ اُس ایک فرقہ کے اندر بہت سے زیادہ گروہ موجود تھے جن میں سے ہر ایک کا ایک جداگانہ کلیسیا خاص مشرب اور خاص جماعت رہبان تھی اور اسی طرح ہر گروہ اپنے مخصوص انبیا اور مخصوص شہدا رکھتا تھا۔ ان مختلف مذہبی گروہوں کا ظہور دوسری صدی سے شروع ہوا تیسری صدی میں یہ لوگ ہر جگہ اور ہر ملک میں سرسبز و کامیاب ہوتے رہے

اور چوتھی صدی میں جب ناصری فرقہ فنا ہوا تو اسی وقت اُن لوگوں کا بھی استیصال کر دیا گیا۔

ناسٹک فرقہ کے چند خاص گروہوں کا تذکرہ اس موقع پر لطف سے خالی نہ ہوگا۔ اس کا پہلا بانی شمعون نام ایک شخص تھا جو اگرچہ ارض یہود کے شہر سامریہ یا سماریہ کا رہنے والا تھا مگر مجوسی بتایا جاتا ہے۔ اس نے طلسم اور نیرنجات میں کافی دستگاہ پیدا کر کے سنہ ق م میں فیبوس حواری کے ہاتھ سے مسیحیت کا بپتسمہ لیا۔ پھر مختلف مقامات کا سفر کر کے ناصریوں اور پولوسیوں کے عقائد دریافت کیے۔ اور خود اپنے تئیں خدا کا مظہر بتانے لگا۔ مگر جن اصول کو اُس نے پیش کیا وہ ناسٹک فرقوں کے دیگر خیالات کے مقابلہ میں ناقص کہے جاتے ہیں۔ اس لئے کہ فلسفیانہ مسیحیت کا یہ پہلا اور غیر مکمل نقش تھا۔

اس کے بعد نقولس نام ایک یہودی الاصل شخص پیدا ہوا جو انطاکیہ میں سکونت پذیر تھا۔ اُس نے یہ نہایت ہی خطرناک اصول ظاہر کیا کہ انسان کو اپنے جسم پر مالک و متصرف ہونے کے لئے ضرور ہے کہ انتہا درجہ کی شہوت پرستیوں میں انہمک و مستغرق ہو جائے۔ یہ ایسا مذہب تھا جس میں کسی قسم کی بدمعاشی و بدکاری ممنوع نہ ہو سکتی تھی۔ شاید مسیحی لوگ اس قسم کا کوئی فرقہ اپنے اور مجوسیوں کے سوا کسی دوسرے مذہب میں نہ بتا سکیں گے یہ دونوں فرقے پہلی صدی عیسوی کے نصف اخیر میں پیدا ہوئے تھے۔

ایک فرقہ وہ ہے جو بیلیڈیز نام ایک شخص سے شروع ہوا۔ اسکے پیرو اپنے اعتقاد میں دو قدیم وجود مانتے تھے۔ اور مسیح کی نسبت کہتے تھے کہ آپ خاکی جسم سے مبرا و منزہ تھے۔ نقولس کے معتقدوں کی طرح یہ لوگ بھی بدچلن اور بد اخلاق تھے۔ جب رومیوں کی طرف سے مسیحیوں پر ظلم ہونا شروع ہوا تو اُنہوں نے دین

عہ گبن۔

عہ ان تمام فرقوں کے حالات عموماً ڈی گلن کی تاریخ کلیسائے مسیحی سے لئے گئے ہیں

سے تعقیۃ" انکار کر دیا۔ اور اپنی اس کمزوری کو یہ اصول پیش کر کے مٹا یا کہ
ناخدا ترس ظالموں کے سامنے اپنے عقیدۂ حق کو ظاہر کرنا گویا سوروں کے
سامنے موتی پھینکنا ہے" طلسم و سحر کی طرف ان کی بھی بڑی توجہ تھی۔
انھیں فرقوں میں ایک ولن ٹائن فرقہ ہے۔ یہ مذہب مذکورہ فرقوں سے
زیادہ کامیاب ہوا تھا۔ اس نے انجیل کے ظاہری معنی چھوڑ دیئے اور صوفیۂ
اسلام کی طرح ہر آیت اور ہر لفظ کے دوسرے معنی بتانے لگا۔ مثلاً انجیل یوحنا
کے چوتھے باب میں "سمریا کی عورت" سے "دانائی کی نجات۔" "یعقوب کے کنوے
کے پانی" کا مطلب یہودی مذہب۔ اُسکے خاوند کو روحانی دولہا۔ اور اس کے پہلے
خاوندوں سے ہیولا یا شیطان کی بادشاہت مراد لی۔ یہ لوگ انجیل کے تاریخی
واقعات کی اصلیت کے نہیں قائل تھے اور عہد نامہ قدیم کو خدا کا مخلوق ہی
نہیں مانتے تھے۔ جادو ان کا بھی چلتا تھا اور زیادہ تر حسین لڑکوں اور عورتوں پر چلتا تھا۔
ایک فریق مارشن کے معتقدوں کا تھا جس نے نئی انجیل مرتب کی توراۃ
کی حقیت کو مٹایا۔ اور دعوٰی کیا کہ خدا نے دنیا کو ہزار سال تک بھلا دیا تھا یہاں
تک کہ حضرت مسیح یکایک ظاہر ہو گئے۔ یہ لوگ ترک لذات کرتے۔ نکاح گوشت
اور شراب سے محترز تھے۔ اس فرقہ پر قسطنطین نے اگرچہ بڑے بڑے ظلم
کئے۔ مگر اس کا وجود دسویں صدی عیسوی تک پایا جاتا ہے۔
سب سے عجیب و غریب فرقہ اوفی ٹیئون کا ہے۔ یہ فرقہ بت پرستوں
کے اصول سے نکلا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے پیرو سانپ کی پرستش کرتے تھے
یہ الزام عام اس سے کہ جھوٹا ہو یا سچا مگر اس میں شک نہیں کہ سانپ کو یہ لوگ
بہت بڑا مظہر کامل تسلیم کرتے تھے۔ جس کی ابتدا آدم و حوا اور سانپ کے
قصہ سے ہوئی تھی۔ پھر حضرت موسٰی کے عصا کے سانپ ہو جانے۔ اس کے بعد
جنگل میں حضرت موسٰی نے پیتل کے سانپ سے لوگوں کو جو اچھا کیا
تھا ان تمام واقعات سے فائدہ اٹھا کے اُنھوں نے سانپ کو حقیقی معرفت

۵ دیکھو نوٹ بصفحہ آئندہ۔

کا نشان قرار دیا تھا۔ یہ لوگ مصنوعی سانپوں کا استعمال بازو بند اور تعویذوں کی طرح کرتے تھے۔ اور اُسے باپ (خدا) اور مادہ کا درمیانی واسطہ قرار دیتے اور کہتے تھے کہ سانپ ہی عالم علوی کی کیفیتیں عالم سفلی میں اور عالم سفلی کی عالم بالا میں لیجاتا ہے۔

اس فرقہ کی بھی تین تقسیمیں ہوگئی تھیں۔ جن میں سے ایک فرقہ قائینی یعنی قابیلی کہلاتا تھا۔ اس کے پیرو اپنے آپ کو حضرت آدم کے گنہ گار بیٹے قابیل کی طرف سے منسوب کرتے۔ اور اُسی کو اپنا پہلا مقتدا قرار دیتے تھے۔ ان لوگوں نے یہ عجیب عقیدہ پیدا کیا تھا کہ قابیل سے لیکے آخر تک جتنے بدکار اور بدنام لوگ

(نوٹ متعلق صفحہ ۳۰) یہ واقعہ چونکہ قرآن پاک میں نہیں لہذا اسلامی تاریخ میں بھی کم ملتا ہی مگر یہود و نصاریٰ میں بہت مشہور ہے اسلئے کہ توراۃ و انجیل دونوں میں موجود ہے اصل واقعہ یہ ہے کہ جب بنی اسرائیل وادی تیہ میں پریشان ہوئے تو انھوں نے خدا کی ناشکری کی اور جناب موسیٰ کو الزام دینے لگے کہ تم نے ہمیں مصر سے کیوں نکالا۔ اس کی سزا میں خدا نے ایسے سانپ اُن پر مسلط کئے جنکے مونہوں سے شعلے نکلتے تھے یہ سانپ بنی اسرائیل میں کثرت سے پیدا ہوگئے اور بہت سے یہودی ان کے کاٹنے سے ضائع ہوئے یہ حالت دیکھی تو سب پریشان ہوکے حضرت موسیٰ کے پاس آئے۔ عذر خواہی کی۔ اور ندامت کے ساتھ اپنی ناشکری کا اقرار کر کے توبہ کرنے لگے۔ حضرت موسیٰ نے دعا کی اور درگاہ خداوندی سے حکم ہوا کہ ایک ویسا ہی سانپ بناؤ اور اُسے کسی تیر کی نوک پر لگاکے زمین پر نصب کردو جس کسی کو سانپ کاٹے اُسکی نظر جیسے ہی اس سانپ پر پڑے گی اچھا ہوجائیگا۔ جناب موسیٰ نے ایک برنجی سانپ بنوا کے تیر پر قائم کیا۔ اور اُس کی برکت سے بنی اسرائیل اُن کوہستانی سانپوں کی مضرت سے محفوظ ہوگئے۔ (عہد عتیق۔ سفر گنتی۔ باب ۲۱) اسی کے حوالہ پر حضرت مسیح نے بھی فرمایا تھا کہ "جس طرح موسیٰ نے ایک سانپ کو صحرا میں بلند کیا تھا اُسی طرح ضرور ہے کہ انسان کا فرزند بھی بلند کیا جائے" (انجیل یوحنا باب ۳ آیت ۱۴) حضرت مسیح کے اس اشارہ نے عیسائیوں میں بھی اس واقعہ کو ترا ہم اور گویا شان مسیحیت کا پہلا نمونہ بنا دیا۔ اور غالباً اسی خیال سے اس مسیحی فرقہ نے سانپ کو لہذا اسی کا سب سے مکمل نشان قرار دیا تھا۔

ہوئے تھے اُن سب کو شہیدوں اور ولیوں کی عزت دیدی۔ دعویٰ کرتے تھے کہ مسیح کے شاگردوں میں سے یہوداا سخریوطی ہی (جس نے آپ کو دغا دیکے دشمنوں کے ہاتھ میں گرفتار کرایا) علم حقیقی کے راز کو سمجھا تھا باقی سب نالائق تھے۔ ان لوگوں کے عقیدے کے روسے کامل علم کے لئے ضرور تھا کہ انسان تمام گناہوں کا اچھی طرح تجربہ کرے اور اُن تمام بدکاریوں میں مبتلا ہو جن کا نام لیتے بھی ہمیں شرم آتی ہے۔

انھیں ناسٹک فرقوں میں سُت اُرنیس کے مقلد بھی تھے۔ جنہوں نے زرتشتیوں کی پیروی کی۔ اور یزدان واہرمن کو پوری طرح تسلیم کرلیا۔ ان میں زہد ونفس کشی کی بڑی شدت اور سختی تھی۔

ایک ناسٹک فرقہ کارپاکرٹیس نام ایک اسکندریہ کے رہنے والے نے نکالا۔ اس نے حضرت مسیح کو بالکل اُسی درجہ پر رکھا جس درجہ پر کہ اُس کے نزدیک نامی بت پرست فلسفی تھے۔ ان لوگوں کا دعویٰ تھا کہ دنیا کو فرشتوں نے پیدا کیا ہے۔ جناب مسیح کو یوسف کا بیٹا اور دیگر انسانوں کے مثل مگر آپ کی روح کو پاک وصاف بتلاتے۔ یہ لوگ جادو کے بڑے معتقد تھے اور ناپاک روحوں اور جنات وشیاطین سے مرادیں مانگا کرتے۔ ان لوگوں کی زندگی بھی عموماً شہوت پرستی میں گزرتی تھی۔ اور یہی پہلا فرقہ ہے جس نے حضرت مسیح کی تصویریں بنا کے معبدوں میں رکھیں اور اُن تصویروں کے ثبوت میں یہ مصنوعی سند پیش کی کہ پانطیوس پائلٹ (رومی گورنر ارض یہود جس کے حکم سے جناب مسیح مصلوب ہوئے) کی بنوائی ہوئی اصل تصویر سے لیگئی ہیں۔

کارپاکرٹیس کا بیٹا ایپی فینز اگرچہ ۱۷ ہی برس کی عمر میں مرگیا مگر ایجاد مذہب میں اپنے باپ سے بڑھا ہوا تھا۔ اُس نے اس تھوڑی عمر میں اپنے نام کا نیا فرقہ پیدا کردیا۔ جس کے پیرو اُس کی قبر کو بے تکلف پوجتے تھے۔ مگر شاید ۱۷ ہی سال میں اُس کے بلوغ

نے نہایت کمال کا رتبہ حاصل کر لیا تھا کہ مزدوک[5] کے اس اصول کو اس نے اپنے معتقدین کا جزو ایمان بنا دیا کہ "سارا مال اور ساری عورتیں کسی خاص شخص کی ملک نہیں۔ لہذا اُن پر سب کو یکساں تصرف کا حق حاصل ہے" انھیں بتبیع فرقوں میں تا نیان کے معتقد بھی بتلائے جاتے ہیں اگرچہ اُس نے کوئی نئی بات نہیں ایجاد کی۔ سچ پوچھئے تو اُس نے خدا شناسی کو زیادہ ترقی دلائی۔ ہاں اتنی بے اعتدالی البتہ ہو گئی تھی کہ نکاح کو بھی شہوت پرستی کا ایک شمہ تصور کیا۔ اُس نے اپنے پیروؤں سے شراب کا استعمال چھڑا دیا تھا۔ دعوتوں اور خاصۂ عشاء ربانی میں وہ لوگ شراب کی جگہ پانی کو استعمال کرتے۔ اور اُسی وجہ سے شراب پینے والے عیسائیوں نے انہیں "پانی والے" کا لقب دے دیا۔

ہرموجبیں نام قرطاجنہ (کارتھیج) کے ایک مصور نے بدی اور تخلیق کا ایک نیا اصول بتا کے دعویٰ کیا کہ مسیح آسمان پر چڑھتے وقت جسم کو سورج میں چھوڑ گئے تھے۔ دراصل یہ اصول صرف اس لئے قرار دیا گیا تھا کہ دین عیسوی قدیم رومی و یونانی اصنام پرستی سے گو نہ موانست پیدا کرے۔ جو ٹیپرینی سورج دیوتا کی پرستش زور و شور سے ہو رہی تھی۔ اس مسیحی فرقہ کے اس خاص اصول نے سورج کی پرستش عیسویت کے ساتھ بھی جائز کر دینا چاہی تھی۔

---

[5] مزدوک ایک ایران کا شہوت پرست فلسفی تھا۔ جس کو زرتشتی مذہب والے شیطان کا ایک مجسم نمونہ تصور کرتے ہیں اُس نے یہ اصول جاری کیا کہ مال اور عورتیں سوا خدا کے کسی خاص شخص کی ملک نہیں قرار دی جا سکتیں۔ لہذا سب بہر شخص کو یکساں طریقہ سے تصرف کا حق حاصل ہے۔ تمام ایرانی اس مذہب کے پابند ہو گئے تھے۔ خود بادشاہ نے یہ عقیدہ قبول کر کے ملک میں جاری کیا اور عموماً مزے اڑائے جانے لگے۔ نوشیروان عادل تخت نشین ہوتے ہی مزدوک اور اُسکے پیروؤں کو قتل کیا اور اس مذہب کو بیخ و بنیاد سے اکھاڑ کے پھینک دیا۔

[6] تاریخ دین عیسوی مصنفہ ل مین۔

ڈوسیٹی فرقہ کی خاص تعلیم یہ تھی کہ مسیح کا جسم گوشت اور خون کا نہ تھا۔ اور اسی وجہ سے آپ نے در اصل نہ کسی قسم کی تکلیف پائی۔ نہ مرے اور نہ پھر اُٹھے یعنی موت کے بعد زندہ نہیں ہوئے بلکہ مصلوبیت اور دفن وغیرہ کی قسم سے سب باتیں عمل میں آگئیں مگر آپ جیسے تھے ویسے ہی رہے۔

ناسٹاسس کے سب فرقوں سے زیادہ قوی اور زبردست مانیکی یا عربی ترکیب سے کہا جائے کہ مانوی فرقہ تھا۔ اس کا بانی مانی نام ایک ایرانی نژاد اور مجوسی الاصل شخص تھا یہ وہی مانی ہے جو مصوری کا بہت بڑا اُستاد خیال کیا جاتا ہے۔ اور فارسی و اردو شاعری میں بھی مشہور ہے۔ شاید ہمارے یہاں پڑھے لکھے لوگوں میں سے کم ہونگے جو مانی و بہزاد کے نام سے نہ واقف ہوں۔ مانی

ے مسیحی کلیسیا کی تاریخ۔ مصنفہ ڈی گکن۔

ے ہمارے یہاں مانی کے متعلق عجیب عجیب قصے مشہور ہیں۔ غیاث اللغات میں لکھا ہو کہ مانی ایک رومی نژاد شخص تھا جس نے اپنے کمال مصوری کو اپنا معجزہ قرار دے کے دعوائے نبوت کیا۔ خیر یہانتک غنیمت ہی گو رومی نژاد ہونا غلط ہے مگر مولانا نظامی سکندر نامہ میں لکھتے ہیں کہ مانی نے نقاشانِ چین کا شہرہ سُن کے چین کا سفر کیا۔ چینیوں کو جب اُس کی روانگی کا حال معلوم ہوا تو اُنہوں نے ایک کنوئیں کی تہ میں (جو اُسکے راستہ میں پڑنے والا تھا) ایک آئینہ بنا دیا تاکہ پانی کا دھوکا دے۔ مانی اس قریب میں آگیا۔ کنوئیں میں ڈول ڈالا۔ اور ڈول کی ٹھیس سے شیشہ ٹوٹ گیا تو اُسے بڑی ندامت ہوئی کہ چینیوں کی چالاکی سے مجھے بڑا دھوکا ہو گیا۔ اس ندامت کے مٹانے کیلئے اُس نے شیشہ کی جگہ اُس کنوئیں کی تہ میں ایک مرا اور سڑا ہوا کتا بنا دیا جسپر کیڑے بھی بلبلاتے نظر آتے تھے۔ مقصود یہ ظاہر کرنا تھا کہ پھر کسی کو دھوکا نہ ہو۔ جب نقاشانِ چین سے مقابلہ ہوا تو ایک مکان میں آمنے سامنے کی دیواروں میں سے ایک مانی کو اور ایک چین کے مصوروں کو دی گئی کہ اپنا اپنا کمال دکھائیں۔ درمیان میں ایک دیوار اُٹھا دیگئی اور کہدیا گیا کہ جب دونوں کی نقاشی ختم ہو جائیگی تو اس دیوار کو گرا کے باہم مقابلہ کیا جائیگا۔ چینیوں نے بڑی محنت سے بڑے بڑے کمالاتِ مصوری دکھائے مگر مانی نے اپنی دیوار کو صرف گھونٹ گھونٹ کے آئینہ بنا دیا اور جب بیچ کی دیوار گرائی گئی تو چینیوں کی تصویر کا عکس مانی کی دیوار پر پڑا اور بعینہ ویسی ہی تصویریں اُدھر بھی نظر آئیں لیکن ان واقعات کی کہانیوں سے زیادہ وقعت نہیں معلوم ہوتی۔

تیسری صدی عیسوی کا بڑا نامور ایرانی فلسفی - دقیقہ رس نجومی - اور مشہور مصور تھا اصل بات یہ تھی کہ مشرق میں دین عیسوی کو کسی طرح کامیابی نہیں حاصل ہوتی تھی - زرتشتی مذہب نے عیسویت کو ایسا روکا کہ مغرب میں تو وہ بحر اعظم مغرب تک جا پہونچا مگر شرق میں دریائے فرات و دجلہ سے آگے نہ بڑھنے پاتا تھا۔

آرمینیہ ایران و روم کا سرحدی صوبہ پہلے پولٹیکل تغیرات اور بڑی بڑی سازشوں کا مرکز بنا ہوا تھا۔ اب وہ مذہبی انقلابات کا دنگل بن گیا یہاں کا فرمانروا ایک عیسوی واعظ کی تلقین سے عیسائی ہو گیا تھا۔ مگر جب ایران کے شاہی خاندان نے اُسے قتل کر کے پہلی آتش پرستی قائم کی تو قدیم شاہی خاندان کے ایک لڑکے اور ایک لڑکی خسرو دخت کی کوشش سے پھر دین عیسوی اس ملک میں آیا۔ اور اگرچہ اب بھی بڑے بڑے ظلم عیسائیوں پر ہوئے مگر مسیحیت کا قدم اس ملک میں جم گیا۔

اسی حالت کو دیکھ کے مانی نے کوشش کی کہ ایک ایسا نیا مذہب قائم کر دے جو مشرقی و مغربی دونوں مذہبوں سے مل کے بنا ہو۔ اُس نے اپنی ذاتی لیاقت کی وجہ سے ایرانی شہنشاہ شاپور اول کے دربار میں عزت حاصل کی۔ لیکن جب دیکھا کہ وہاں کے کاہن اور مقتدایان ملت زرتشتی اُس کی عداوت پر آمادہ ہیں اور مذہبی امور میں دخل دہی کرنے کو بادشاہ بھی نہیں پسند کرتا تو شاہی دربار کو چھوڑ کے مشرق کی طرف چلا گیا۔ پہلے ترکستان میں گیا۔ پھر ہندوستان اور چین کی سیاحت کی۔ یہاں کے مذاہب کے اصول سے واقف ہوا۔ بودھ مذہب کی حقیقت دریافت کی۔ ترکستان میں پہونچ کے اُس نے ایک گھاٹی میں خلوت اختیار کر لی۔ جہاں ایک چشمہ جاری تھا اور کھانے کا سامان بھی موجود تھا۔ کامل ایک سال تک اسی میں بیٹھ کے اپنی کتاب ارتنگ تیار کی جس کو ایک آسمانی کتاب کی شان سے لے کے باہر آیا۔ اور حضرت موسیٰ کی طرح لوگوں سے

کہا میں خدا کے پاس گیا تھا۔ اور یہ احکام خداوندی تمہارے لئے لایا ہوں۔ دیگر تمام آسمانی کتابوں کے خلاف اس کی کتاب میں نہایت ہی اعلیٰ درجہ کی تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ اور جو اُس زمانے کے لحاظ سے اتنی بڑی چابکدستی کا ثبوت دیتی تھیں کہ انسانی قوت سے بالا اور بہت ہی زبردست معجزہ تصور کی گئیں[۵۱] الغرض ایک مدت کے بعد پیغمبر مرسل اور صاحب کتاب نبی بن کے وہ ایران میں واپس آیا۔ اور بہت لوگوں کو اپنا معتقد بنا لیا۔ مجوسیوں سے اُس سے بڑے بڑے مناظرے ہوئے[۵۲]۔ ہرمز بن شاپور کے عہد میں وہ اپنے اس طولانی سفر سے واپس آیا تھا۔ جس نے اُس کی بڑی قدر و منزلت کی اور علاقہ بابل میں ارابیون نام ایک قلعہ اُسے رہنے کو دیا۔ اس قلعہ سے بیٹھ کے مانی نے اپنے نئے دین کی اشاعت شروع کی۔ اپنے بارہ حواری قرار دیئے اور اُن کو تبلیغ شریعت مانوی پر مامور کیا۔ مگر چند ہی روز بعد متعصب مقتدایان دین زردشتی نے نئے شہریار ایران بہرام کے دربار میں اُس کی شکایت کی۔ بہرام اپنے مذہبی بزرگوں کے اُبھارنے سے اس قدر برہم ہوا کہ اُسکے حکم سے ۲۹۳ق م ۲۷۷ء کے قریب زمانہ میں مانی اپنے قلعہ سے گرفتار کر کے لایا گیا۔ زندہ کھال کھینچ کے اُس میں بھُس بھروا دیا گیا۔ اور کھال کا یہ پتلا شہر شاپور کے پھاٹک پر مدت تک کھڑا رہا[۵۳]

مانی کا مذہب اگرچہ مسیحیت کی ایک شاخ بن کے نمودار ہوا مگر اصل میں وہ دنیا کے تمام مذہبوں سے مرکب تھا۔ وہ وحدت وجود کا قائل تھا تخلیق کی نسبت کچھ نئے ہی خیالات ظاہر کئے تھے۔ اصلی بنا دو خداؤں یعنی یزدان و اہرمن کے ماننے پر قائم تھی۔ اسی طرح نور و ظلمت کی اصطلاح بھی کثرت سے استعمال کی گئی تھی۔ اخلاقی اصول با[illegible] بودھ مذہب کے اخلاقی فلسفہ

---

۵۱ "تاریخ دین عیسوی مصنفہ مل مین۔

۵۲ مسیحی کلیسیا کی تاریخ مصنفہ ڈی گلن

۵۳ تاریخ دین عیسوی مصنفہ مل مین۔

سے لئے گئے تھے۔ یہودی مذہب بالکل ترک کر دیا گیا تھا۔ اور کہنا چاہیئے کہ ایران کے یزدان و اہرمن چین و ہند کے اخلاقی فلسفہ کو عیسائیت کا جامہ پہنا دیا گیا تھا۔ کتاب عہد عتیق شیطانی الہام کا نمونہ بتائی گئی اور چند جعلی انجیلوں کے ساتھ مانی کی تحریریں اس فرقہ کا دستور العمل بنیں۔ مانی نے انجیل سے یہ فائدہ بھی اٹھایا کہ اپنے تئیں موعودہ فارقلیط بنا کے اپنے خاتم الانبیا ہونے کا دعوے کیا۔

اس مانوی فرقہ نے عیسائی دنیا میں اس قدر ترقی کی کہ پولوس کے پیرووں کے مقابلہ میں مستقل اور زوردار مذہب بن گیا۔ اور رومی کلیسیا کا سب سے زیادہ قوی حریف تھا۔ مانوی لوگ اپنی توحید پر نازاں تھے اور اپنے مخالف عیسائیوں کو بت پرست بتلاتے تھے۔ اس فرقہ نے یہاں تک ترقی کی کہ رومی کلیسیا کے سے پورے مذہبی انتظامات اس میں بھی جاری ہو گئے۔ بارہ بڑے مذہبی عہدہ دار رسول و حواری کے نام سے اُن کے نیچے ۷۲ بشپ اور پھر اُن کے ماتحت پرسٹبیر اور ڈیکن تھے جو سفر کرنیوالے داعی قرار دیئے گئے تھے۔ یہ فرقہ تیرھویں صدی عیسوی تک قائم رہا۔ اور اس پر روم کے عیسائی شہنشاہوں اور پوپوں نے بڑے بڑے ظلم کئے۔ اور فتوحات اسلام نے بھی اُسے بڑا ضرر پہونچایا۔[1]

دین عیسوی کی یوں تو اُسی زمانے میں صدہا شاخیں ہو گئی تھیں اور ایک ایک جزئی مسئلہ نے ایک جدید فرقہ پیدا کیا تھا۔ مگر ہم اس موقع پر ایک اور فرقہ کے حالات لکھنا ضروری خیال کرتے ہیں جس نے بہت کچھ ترقی حاصل کی تھی۔ اور ناسٹک فرقوں کے علاوہ ایک مستقل مذہب بتایا جاتا ہے یہ مذہب مانٹنزم کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس لئے کہ مانٹنوس نام ایک شخص کی طرف منسوب ہے۔ جس نے ایشیائے کوچک کے علاقۂ فروگیہ میں

[1] مسیحی کلیسیا کی تاریخ مصنفہ ڈی گلن۔

ایک گاؤں سے خروج کر کے اپنے مذہب کو افریقہ اور قرطاجنہ تک پہونچادیا مانٹنوس کے ساتھ دو لائق اور مؤثر شکل و شمائل کی عورتیں تھیں جو نبیہ بتائی جاتی تھیں۔ ان تینوں نے تبلیغ دین کے لئے سفر شروع کیا اور دعویٰ کیا کہ روح القدس اور حضرت مسیح کی ہزار سالہ بادشاہی کا زمانہ فروگیہ کے گاؤں پیپوزا سے شروع ہونے والا ہے۔ وہاں نیا یروشلیم اترے گا۔ اور ساری دنیا اُسکے سامنے سر جھکائے گی۔ جن عقائد کو ان پیمبرنیوں اور اُنکے دوست مانٹنوس نے جو اپنے آپ کو فارقلیط کا مظہر و مصدر کہتا تھا دنیا کے سامنے پیش کیا یہ تھے کہ نفس کشی ہر شخص پر فرض ہے۔ بشپوں اور راہبوں کی حکومت دین کے خلاف ہے۔ ریاضت کے لئے کسی کی تخصیص نہیں۔ ہر مرد اور ہر عورت کو راہب اور کاہن ہونا چاہیئے۔ ان عقائد کے ساتھ یہ بھی دعویٰ تھا کہ سلسلۂ نبوت بدستور جاری ہے۔ چنانچہ اپنے کئی مردوں اور عورتوں کو پیمبر بتاتے تھے۔ ان کی یہ عملی کوشش تھی کہ یہودیوں اور ناصریوں کی طرح شرعی قیود کو روز بروز بڑھاتے جاتے تھے۔ اُن کے نزدیک توبہ غیر مقبول تھی۔ ازدواج کی نسبت کہتے تھے کہ ایک برائی ہے جس سے انسان کو چارہ نہیں۔ اور نکاح ثانی کو زنا خیال کرتے تھے۔ مسیح کی بادشاہی کا مسئلہ پہلے پہل انھیں لوگوں سے شروع ہوا۔ ان کے بعد عیسویت میں اور بھی بہت سے ایسے فرقے پیدا ہوئے جنھوں نے اسی ہزار سالہ بادشاہی کو اہم مسئلہ ایمانی قرار دیا۔ اور اُس میں دقیقہ سنجیاں کیں۔

مانٹنوس اور اُس کی دلربا ساتھ دینے والیوں کا مذہب بڑی تیزی سے بڑھا اور اطراف عالم میں پھیلنے لگا۔ تھوڑے ہی دنوں میں اس سرعت سے کامیاب ہوا کہ ایشیا سے یورپ میں پہونچا۔ روم میں اس کے حامی پیدا ہوئے اور شمالی افریقہ میں اس کا قدم مضبوطی سے جم گیا۔ خود رومی کلیسا اور پولوس کا بنایا ہوا دین بھی اس نئے فرقے کو بڑھتے دیکھ کے گھبرا اُٹھا تھا۔ مگر رومی

کلیسائی حکومت اور قسطنطین کے جانشینوں نے اُسکو دنیا سے مٹا دیا
عیسوی حکومت اور رہبانیت نے مظالم نے سنہ ۔ ق م (سنہ ۵۳۰ ع)
میں ماشنوس کے مذہب کی پابندی کو شاہی جرم قرار دیا جس کا نتیجہ تھا
کہ چھٹی صدی عیسوی میں یا یوں کہا جائے کہ اسی صدی عیسوی میں جس
میں ہمارے رسول مقبول صلعم پیدا ہوئے اِس مسیحی فرقہ کا خاتمہ ہوگیا۔
یہ ابتدائی زمانہ کے فرقے بہت قوت کے ساتھ پھیل گئے تھے اور ممکن نہ
تھا کہ آج دنیا میں موجود نہ ہوتے۔ لیکن جس طرح دولت روم کے عیسائی حکومت
ہوجانے سے قدیم بت پرستی مٹائی گئی اُسی طرح ان فرقوں کا کلی استیصال کیا گیا
درحقیقت ان فرقوں نے رومی کلیسا کو بجائے ضرر کے اور فائدہ پہونچایا۔ ہر
عیسائی فرقہ کے بانی نے مختلف جماعتوں اور مذہبوں سے اپنے لئے پیرو
فراہم کئے تھے۔ ان پیرووں نے جب اپنے قدیمی مذہب کو چھوڑ دیا تھا پھر
حکومت کے زور سے ان کو پولوس کا مرید و معتقد بنالینا زیادہ دشوار نہ تھا۔
پولوس کا دین ابتدائی تبلیغ کے وقت اگرچہ محض خیالات ہی خیالات پر
حاوی تھا اور ہر امر کی پوری پوری آزادی دیتا تھا۔ مگر ان آسانیوں کیساتھ
بھی بت پرستی کو معدوم نہ کر سکا تھا۔ یہ صرف مذہبی حکومت اور راہبانہ
خونریزی کی برکت تھی جس نے بت پرستی ہی کو نہیں بلکہ اُن قدیم مسیحی
فرقوں کو بھی صفحۂ ہستی سے مٹا دیا۔

نمبر ۴

چودھویں صدی عیسوی گویا یورپ کے ان نائٹوں کے تباہ کرنے
ہی کے لئے آئی تھی۔ اسلئے کہ شاہ فرانس فلپ کے دل سے لگی ہوئی تھی کہ
ٹمپلروں کو غارت کرکے اُن کے ملک و دولت پر قبضہ کرے سو سال تک

سلہ مل مین اور ڈی گلن

اس نے انتظار کیا کہ اُس کے منتخب کرائے ہوئے پوپ کلیمنٹ کے ہاتھ سے کارروائی شروع ہو مگر کلیمنٹ کو کسی طرح جرأت نہ ہوتی تھی۔ ناگہاں یہ واقعہ پیش آیا کہ فرانس کے شہر طولوں کے جیل میں ایک ٹمپلر کسی جرم کی بنیاد پر قید تھا۔ اُس نے بادشاہ فلپ پر ظاہر کیا کہ اگر مجھے آزادی دی گئی تو ایک ایسا راز بتادونگا جو سلطنت کے لئے نہایت ہی قابل قدر اور مایۂ ترقی ہوگا۔ بادشاہ نے ۱۴ ستمبر ۱۳۰۷ء کو اُس کا اظہار لیا۔ اور ۱۳ اکتوبر کی شب کو ناگہاں حکم دیا کہ مملکت فرانس میں جتنے ٹمپلر ملیں سب گرفتار کر لئے جائیں۔ اسی قدر نہیں بلکہ قرب وجوار کے دیگر حکمرانوں کے پاس بھی پیام بھیجا گیا کہ اپنی اپنی قلمرو میں بھی یہی حکم نافذ کر دیں۔ اور سب مقامات میں جو ٹمپلر اسیر و پابزنجیر کئے گئے اُنکے علاوہ خاص پیرس میں ٹمپلروں کا ماسٹر جنرل جیمس ڈی مولائی اپنی سوسائٹی کے ساٹھ ممبروں کے ساتھ گرفتار کیا گیا۔ اور بعد والے ہفتہ کے روز وہ سب بیگناہ اسیر پیرس یونیورسٹی کے سامنے لائے گئے کہ اپنے جرموں کی فہرست اور اپنی فرد قرارداد جرم سنیں۔ دوسرے دن اتوار کو پیرس کے شاہی باغوں کے اندر عوام الناس جمع ہوئے۔ اور مختلف واعظوں نے جو فلپ کیطرف سے مامور ہوئے تھے اُنھیں بھڑکانا اور سمجھانا شروع کیا کہ ٹمپلر لوگ سخت مجرم۔ بڑے بڑے خوفناک جرموں کے مرتکب۔ انتہادرجہ کے بے دین وملحد اور کشتنی وگردن زدنی ہیں۔ اور عوام کو اطمینان دلانے کے ساتھ ہی مقدمہ کی کارروائی شروع کردی گئی۔

تفتیش وتحقیقات کے بہانے اسیر شدہ ٹمپلروں پر ایسے مظالم ہونے لگے اور اُنھیں ایسی جان گزا اذیتیں پہونچائی جانے لگیں کہ اُنہوں نے بہت سی ایسی باتوں کا اقرار کر لیا جو نہایت خوفناک اور سنگین جرم تھے۔ اس بے رحمی وجور کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ فقط اکیلے پیرس میں چھبیس ٹمپلر حوالات کے اندر مر گئے۔ ۹ واسے ۲۲ نومبر تک ایک سو چالیس ٹمپلروں کا بیان

لیا گیا۔ ان میں سے بعض اس قدر سن رسیدہ تھے کہ ان کے بیان کا اثر ٹمپلروں کی گزشتہ پچاس سال کی تاریخ پر پڑتا تھا۔ قریب قریب سب نے تسلیم کر لیا کہ ہم صلیب اور مصلوبیت مسیح کی توہین کرتے ہیں۔ بہتوں نے بغض اور بیدینی کے الزام قبول کئے۔ اور فحاشی اور سیہ کاری کے جو شرمناک الزام لگائے گئے تھے ان کا بھی ان غریبوں نے جبراً و قہراً اقرار کیا۔

پوپ کلیمنٹ نے شاید ترس کھا کے ۲۷ اکتوبر کو اپنا ایک حکم جاری کر کے تفتیش کرنے والوں کے ظالمانہ اقتدارات روک دیے تھے۔ مگر نومبر کے ختم ہونے سے پہلے غالباً فلپ کے اشارے سے اس نے شاہ انگلستان ایڈورڈ دوم کو لکھا کہ جتنے انگریز ٹمپلر تمہارے علاقہ میں ہوں انھیں بھی گرفتار کر لو۔ ۱۰ جنوری ۱۳۰۸ء کو انگلستان میں اس حکم کی تعمیل ہوئی۔ اور اسی زمانے کے قریب یورپ کے تمام ممالک میں ہر جگہ ٹمپلروں پر آفت نازل ہو گئی۔ پھر ۲۱ جنوری کو سسلی میں اور ۲۷ مئی کو سائپرس میں (جو ٹمپلروں کا خاص مرکز تھا) یہی کارروائی ہوئی۔ اور کوئی مقام نہ تھا جہاں یہ بیچارے بیگناہ پکڑے اور مارے نہ جاتے ہوں۔

باوجود ایسے احکام جاری کر دینے کے پوپ روم ذرا رُک رُک کے اور پچتا پچتا کے ان احکام کو جاری کرتا تھا۔ یہ دیکھ کے فلپ سات سو مسلح سپہگروں کے ساتھ اس کے سر پر آ نازل ہوا۔ اور وہ بالکل اس کے بس میں تھا اور سب نے اتفاق سے طے کر دیا کہ بادی النظر میں اسیر ٹمپلر ان کا روپیہ اور ان کی اراضی و علاقے سب پوپ کمشنروں کے ہاتھ میں رکھے جائیں۔ مگر اصل میں حکم دینے والا خود فلپ تھا۔

۵۔ جولائی ۱۳۰۸ء کو پھر مقدس و معصومانہ دربار پوپ سے یہ حکم جاری ہوا کہ تفتیش کرنے والے اسیروں پر جیسی سختیاں چاہیں کریں۔ اور اس کے ساتھ ہی طے پایا کہ ضبط شدہ جائداد ارض مقدس کی بازیافت کی کوشش کیلئے ... کلیمنٹ کا اب یہ حکم تھا کہ ٹمپلروں کے جرائم کی از سر نو تحقیقات کی جائے بہتر قراری

مجرموں کا بیان وہ خود سن چکا تھا۔ اب شہر شنون میں گرینڈ ماسٹر مولائی اور تین بڑی سپاہیوں کا بیان از سر نو لیا گیا۔ اور اُنھوں نے اذیتوں کے خوف سے پھر جرموں کا اقرار کیا۔

آخر کار ریکم اکتوبر ۱۳۱۰ء کو ایک بڑی بھاری کونسل شہر دیانا میں جمع ہوئی۔ تاکہ ٹمپلروں کے جرائم پر غور کرے۔ مقدمہ کی کارروائی ۱۱۔اپریل ۱۳۱۱ء کو شروع ہوئی۔ ۲۳۔اپریل کو اقبالد پروانیو نے اعتراض کیا کہ کارروائی انصاف سے نہیں ہو رہی ہے۔ مگر کون سنتا ہے؟ ۱۲ارمئی کو ۵۴ ٹمپلر شہر ستان کے اسقف اعظم کے حکم سے زندہ جلا ڈالے گئے اور چند روز بعد اور چار ٹمپلروں کا بھی یہی حشر ہوا۔

ان واقعات کے مشہور ہوتے ہی لوگوں پر ایک ہیبت چھا گئی چنانچہ چھیالیس ٹمپلروں نے جوابدہی اور پیروی مقدمہ سے انکار کر دیا۔ مجبوراً کمشنروں نے نومبر تک کے لئے کارروائی ملتوی کر دی۔ اس کے بعد دوبارہ تحقیقات ۱۷۔ دسمبر ۱۳۱۰ء کو شروع ہوئی اور ۵۔جون ۱۳۱۱ء کو اُس کی کارروائی ختم ہوئی اس کارروائی کے دوران میں پوپ کلیمنٹ اور شاہ فلپ کے فیما بین سمجھوتا ہو گیا۔ جس کی بنا پر پوپ نے ٹمپلروں کو مجرم قرار دیا۔ اور دیانا کی کونسل میں اس مسئلہ پر غور ہونے لگا کہ ٹمپلروں کو جوابدہی و عذرداری میں کچھ کہنے کا موقع بھی دیا جائے یا نہیں۔ اور کہتے ہیں کہ جیسے ہی اس مسئلہ پر بحث چھڑی پوپ نے فوراً کارروائی ملتوی کرا دی تاکہ ایسے مسئلہ پر غور ہی نہ کیا جائے جس سے اُس کی مرضی کے خلاف نتیجہ ظاہر ہونے کا اندیشہ ہو اور جن سات ٹمپلروں نے مختار کی حیثیت سے جوابدہی کا دعویٰ اور ارادہ کیا تھا وہ گرفتار کر کے قید خانے میں بھیج دیئے گئے۔

شروع مارچ ۱۳۱۲ء میں شاہ فلپ دیانا میں آ کے خود کونسل میں شریک ہوا پوپ کے داہنے بازو پر بیٹھا۔ اور اُس کی موجودگی میں پوپ نے ٹمپلروں

کے خلاف اپنا روحانی فیصلہ اور اپنا حکم سنایا۔ اس کے بعد ۲۔ مایچ سنہ مذکورۂ بالا کو پوپ نے اس مضمون کا حکم شائع کیا کہ ٹمپلروں کی تمام جائداد سینٹ جارج کے نائٹوں کو دے دی جائے۔ بجز اس غیر منقولہ جائداد و مملکت کے جو ممالک کیسٹائل۔ ارغون۔ پورتگل۔ اور مجورقہ کے علاقوں میں واقع ہے۔

جو ٹمپلر ملزم و مجرم قرار دیے گئے تھے تین گروہوں پر تقسیم کر دیے گئے اول وہ جنھوں نے پکڑے جاتے ہی اقرار جرم کر لیا۔ دوسرے وہ جنہوں نے انکار کیا اور اپنے انکار پر آخر تک قائم رہے تیسرے وہ جنھوں نے ابتداءً اقرار کیا تھا۔ اور بعد کو دوران کارروائی مقدمہ میں انکار کر دیا اور اپنے پہلے اقرار کی نسبت ظاہر کیا کہ ہمارا وہ قبول کر لینا محض تکلیفوں ظلموں اور اذیتوں سے بچنے کیلئے تھا۔ ان تینوں گروہوں کے لئے سزائیں یہ تجویز ہوئیں کہ گروہ اول کے مجرم اپنے گناہوں سے توبہ کریں اور اپنے بے دینی کے افعال پر نادم ہوں۔ دوسرے گروہ والے دائم الحبس کیے جائیں اور تیسرے گروہ والے زندہ آگ میں جلا کے مارے جائیں لیکن ان مجرموں میں گرینڈ ماسٹر مولائی اور دو ایک اور معزز عہدہ داران سوسائٹی مستثنیٰ کر لئے گئے اور کہا گیا کہ ان کے بارے میں پوپ جو فیصلہ کرینگے اُسپر عمل کیا جائیگا آخر ۱۳۱۴ء کے آغاز میں وہ اس بات پر مجبور کئے گئے۔ کہ علانیہ مجمع عام میں اپنے جرموں کا اقرار کریں۔ اور اگر ایسا کرتے تو اُن کے لئے دائم الحبس رہنے کا حکم نافذ ہو جاتا مگر اتفاقاً نارمنڈی کے ماسٹر ٹمپلر اور ایک عہدہ دار نے بجائے اقرار گناہ کے اپنی بے گناہی کا علانیہ دعویٰ کیا۔ اور شاہ فلپ نے بغیر اسکے کہ پوپ کے مشورہ کا انتظار کرے۔ اُنھیں ایک چھوٹے جزیرہ میں جلا کے مار ڈالا۔

ٹمپلروں کے آخری ماسٹر جنرل اور سردار دسر غنا غریب مولائی کے زندہ جلائے جانے کے بعد ٹمپلروں کی قوت ہر جگہ ٹوٹ گئی۔ اور پھر کبھی اُن کی

وہ اگلی وقعت و عزت قائم نہ ہو سکی لیکن چند ہی روز میں ثابت ہو گیا کہ ٹمپلر بیگناہ و بے قصور تھے - اور اُن کے خلاف جتنی کارروائیاں ہوئیں - فلپ شاہ فرانس کی عداوت و سازش اور حصول دولت کی ہوس کی وجہ سے تھیں -

فرانس کے سوا جہاں جہاں اور جن ملکوں میں اُن کے بارے میں تحقیقات کی گئی - یہی ثابت ہوا کہ وہ بیگناہ ہیں - اور اُن فیصلوں کے دیکھنے سے صاف آشکارا ہو جاتا ہے کہ فرانس میں اُن پر کیسی بے رحمی اور اُن کے ساتھ سنگدلی و جفا کاری کا برتاؤ کیا گیا - اسپین کی سلطنت قسطلہ میں ابتداءً فرانس کی تحریک پر سارے نائٹ ٹمپلر پکڑ کے قید کر لئے گئے تھے مگر جب سلامانکا کی کونسل کے سامنے مقدمہ پیش ہوا تو فوراً چھوڑ دیئے گئے - اسی طرح ہسپانیہ کی ریاست اراغون میں اگرچہ اُنھوں نے اطاعت قبول کرنے سے انکار کیا تھا اور اپنی ایک گڑھی میں قلعہ بند ہو کے لڑے بھی تھے مگر جب طراغونہ کی کونسل نے اُن کے الزامات پر غور کیا تو پوری تفتیش کے بعد نومبر ۱۹۱۲ء میں یہی فیصلہ صادر کیا کہ یہ لوگ بیگناہ ہیں - پورچگل میں بھی اُن کی تحقیقات ہوئی - اور سلطنت کی جانب سے جو کمشنر مامور ہوئے تھے اُنھوں نے رپورٹ کی کہ ہمیں ان لوگوں کے مجرم قرار دینے کی کوئی وجہ ہی نہیں نظر آتی - علاقہ مینز میں اُن کی تحقیقات ہوئی سختی کے ساتھ چھان بنان کی گئی - مگر وہاں بھی اُن کی بیگناہی کا اعتراف کیا گیا - اسی طرح مقامات ٹریوس - میسینا - بولونیا - روماینا اور جزیرہ قبرس میں بھی ٹمپلر پکڑے گئے - اُن پر مقدمہ چلایا گیا - کامل تحقیقات کی گئی - مگر نتیجہ یہی ہوا کہ یا تو اُن کے خلاف کوئی شہادت تھی ہی نہیں اور یا تھی تو ایسی نہ تھی کہ اُس پر وثوق کر کے اُنھیں سزا دی جائے - چنانچہ سب جگہ وہ بری کر دیئے گئے

فرانس کے علاوہ بعض اور مقامات میں بھی بعض ٹمپلروں نے اُن جرموں کا اقرار کیا جو اُن پر عائد کئے جاتے تھے مگر عدالت کو یہی رائے اختیار کرنا پڑی کہ اُن لوگوں کا یہ اقرار محض جور و تشدد اور ایذا رسانی کی وجہ سے ہے -

شہر فلارنس میں چند ٹمپلروں نے عدالت کے سامنے جو بیان کیا تھا وہ بعض مورخین نے بجنسہٖ نقل کر دیا ہے وہ جا ہ عجیب احمقانہ طریقہ سے ویسی ہی بے عقلی کی شان سے یہ اقرار کرتے ہیں کہ "ہم پر جتنے الزام عائد کئے جاتے ہیں سب صحیح ہیں۔ اور ہماری نسبت جو کچھ بیان کیا جاتا ہے اُس میں سے ایک لفظ بھی غلط نہیں ہے" اس پر غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ بیان اُن کا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ کسی کا سکھایا ہوا ہے۔ اور جو کچھ بتا دیا گیا ہے اُسے وہ کسی خطرناک قوت کے ڈر سے بلا تکلف اور بے سمجھے بوجھے زبان سے ادا کر رہے ہیں۔

انگلستان میں غالباً اُن پر کسی قسم کا جور و تشدد نہیں ہوا تھا۔ وہاں بھی اسی اسیر شدہ ٹمپلروں کا اظہار عدالت کے سامنے ہوا۔ اُن اسی میں سے صرف چار نے اقرار کیا کہ ہم مسیح سے انکار کرتے ہیں اور صلیب کی توہین و تحقیر کرتے ہیں۔

اس قسم کے الزامات کی اصلیت بھی ہے۔ مسلمانوں کے عقائد سے واقف ہونے اور اپنے اصول کی کمزوریوں سے آگاہ ہو جانے کے بعد اُنھیں اُن عقائد سے اختلاف ہو گیا تھا جن سے اصلی مسیحیت کو تعلق نہ تھا بلکہ یونان و روم کی بُت پرستی کے اثر سے دین عیسوی میں مل گئے تھے مسیحی رہبان تعصب کے جوش میں اُن کو منکر و ملحد قرار دیتے تھے اور وہ چاہتے تھے کہ ہم دین مسیحی میں سے اُن جاہلانہ عقائد کو نکال ڈالیں جنھوں نے حضرت مسیح کے لائے ہوئے دین کو غارت کر دیا ہے۔ مثلاً اُنکے مختلف بیانوں پر غائر نظر ڈالنے سے کھلتا ہے کہ وہ حضرت مسیح کی نبوت کے منکر نہ تھے بلکہ اُس مسیح کے منکر تھے جو خدا بتایا جاتا تھا۔ ان دنوں تمام گرجوں میں حضرت مسیح کی فرضی تصویریں مصلوبیت کی وضع میں قائم تھیں اُن کو وہ بُرا اور بت پرستی کا نمونہ تصور کرتے۔ اور بعض نے یہ کہدیا کہ "جس مسیح نے گناہوں کا اقرار کر کے اور اُنھیں اپنے سر لے کے انکا خمیازہ بھگتا اُس کے ماننے سے ہمارے گروہ کو انکار ہے۔ ہم خدائے واحد ذوالجلال پر ایمان رکھتے ہیں" اسی طرح صلیب کی نسبت اُنھوں نے کہا

کہ ہمیں نفس صلیب سے انکار نہیں بلکہ صلیب کی جو تصویریں اور نقاشیں گرجوں کے درودیوار پر نصب ہیں اور لوگوں کے گلوں میں لٹکتی نظر آتی ہیں ہمیں اُن سے انکار ہے۔ یہ عقائد صاف بتا رہے ہیں کہ نائٹ لوگ ارض شام میں اور مسلمانوں کے زیر سایہ رہتے رہتے اُن معتقدات کے دلدادہ ہو گئے تھے اور اگر مسلمان نہ بھی ہوئے ہوں تو چاہتے تھے کہ مسیحیت کو وہی اصلی مسیحیت بنا دیں جو دنیا کو حضرت مسیح سے ملی تھی۔ اور جس کی تصدیق اسلام کر رہا تھا۔

لیکن یہ امر کس قدر قابل مضحکہ ہے کہ اُنھیں مذکورہ عقائد کی بنا پر ٹمپلر ملحد بتائے جاتے تھے۔ اور کہا جاتا ہے کہ اُنھوں نے یہ عقیدے بعض بت پرست قوموں سے اخذ کئے۔ جو تحریک بت پرستی کا استیصال کرنا چاہتی ہو اُسی کو بُت پرستی بتانا اور اپنی صنم پرستی کو بھول جانا سچ یہ ہے کہ یورپ کے عجائبات میں سے ہے۔ اور اس پر زیادہ حیرت کی یہ بات ہے کہ ٹمپلروں کے عقائد کو اکثر محققین یورپ دور و دراز کے بُت پرست فرقوں میں ڈھونڈھتے ہیں اور اسلام پر نظر نہیں ڈالتے جس نے ٹمپلروں کو ایک باضابطہ قانون توحید بتا کے اپنا والہ و شیدا بنا لیا تھا۔

نمبر ۵

یہ لفظ انوکھا نیا اور پُر خوف ہے۔ مگر اس سے اس بات کا پتہ چل سکتا ہے کہ جو یورپ آجکل اپنے قومی مفاد اور اپنی ذاتی عظمت منوانے کے شوق میں خون کی ندیاں بہا رہا ہے۔ کبھی اُس کی دلچسپی کی محفلیں بھی ایسی ہی خونریز و بے رحم تھیں۔ ایشیا کی اگلی اور اولوالعزم قوموں کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ بہت ہی ظالم و بے درد تھیں۔ کیونکہ دشمنوں یا غیر قوموں کے ہزاروں آدمیوں کو گرفتار کر کے اپنے دیوتاؤں پر بھینٹ چڑھا دیا کرتی تھیں۔ اور پوری پوری قوموں کو

سے زن و فرزند پکڑ کے لونڈی غلام بنا لیتی تھیں۔ سب سے زیادہ خونی تصویر بخت نصر کی ہے۔ جس کے سامنے بہت سی لاشیں مصلوب لٹکتی نظر آتیں۔ اور قیدی طرح طرح کے عذابوں اور تکلیفوں سے مارے جاتے۔

یہ سب تھا۔ اور اس سے بھی زیادہ ہوگا مگر ایشیا والوں میں یہ کبھی نہیں ہوا کہ محض دلچسپی اور دل بہلانے کے لئے انسان کا خون بہایا جائے افریقہ اور بعض وحشت ناک جزائر کے لوگ انسان کو مار کے کھا جاتے تھے اور شاید اب بھی کہیں انسان انسان کے گوشت سے پیٹ بھرتا ہو۔ مگر یہ بھی پیٹ بھرنے کے لیئے ہے جس سے بڑا دوزخ دنیا میں نہیں ہے۔ دل بہلانے اور تفنن طبع کے لیئے انسان کی جان لینا کبھی خاص یورپ کا اور یورپ میں بھی ایک متمدن و شائستہ قوم کا مشغلہ تھا

ہمارے یہاں لوگ بٹیر لڑاتے ہیں۔ مرغ لڑاتے ہیں۔ بلبل لڑاتے ہیں کبوتر لڑاتے ہیں۔ مینڈھے لڑاتے ہیں۔ اور چند روز پہلے سنتے ہیں ہمارے شہر کے شاہی جنگل میں شیر۔ گینڈے۔ اور مست ہاتھی بھی لڑائے جاتے تھے جانوروں ہی کی خصوصیت نہیں ہمارے ملکی اکھاڑوں میں پہلوان آتے ہیں۔ لوگ نیزہ بازی و شمشیر زنی کی مشق ایک دوسرے کے مقابل میں دکھاتے ہیں مگر ان کی لڑائی بس اسی پر ختم ہو جاتی ہے کہ حریف کو گرا کے چت کر دیں یا محض چوٹ کھا جائے۔ مگر یورپ میں انسان اس لئے لڑائے جاتے تھے کہ ایک دوسرے کو جان سے مار ڈالے۔

یہ وحشیانہ دلچسپی وہاں سپہگری کا کمال دکھاتے یا میدان کارزار کے لئے تیار ہونے کی غرض سے نہیں بلکہ شوقینی اور صرف "واہ واہ" کے لیئے ہوتی تھی۔ اہل ایطالیہ کے قدیم مورث رومی جن کی عظمت و جبروت کا سکہ کبھی سارے یورپ اور مغربی ممالک ایشیا میں بیٹھا ہوا تھا اور جو اپنے عہد میں ساری قوموں سے زیادہ مہذب و شائستہ۔ اور ہر فن میں باکمال و بے مثال مانے جاتے تھے

وہ مرغوں اور مینڈھوں کی طرح انسانوں میں سے ایسے خونی پٹھے تیار کرتے تھے جو صرف اسی غرض کے لئے ہوتے کہ اُن کے جشن طرب کے موقع پر اکھاڑے میں اُتریں اور حریف کو ناظرین کی دلچسپی کے لئے جان سے مار ڈالیں۔ یہ خونی پٹھے رومیوں کی زبان میں "گلے ڈی ایٹرز" کہلاتے تھے۔ بعض یورپین محبان وطن فرماتے ہیں کہ ان رومیوں نے اس شوق کو اہل ایشیا سے سیکھا۔ گو کہ ایشیا میں کہیں اور کسی زمانے میں اس سفاکانہ تفنن کا پتہ نہیں چلتا۔

ایسے خونی پٹھوں کا تیار کرنا رومیوں میں ایک فن ہو گیا تھا۔ ہمارے یہاں بٹیر بازوں اور مرغ بازوں کی کبھی ایسی قدر نہ ہوئی ہوگی جیسی ان دشمن انسان باکمالوں کی قدر روم میں ہوتی تھی۔ یہ لوگ "لانس تے" کے لقب سے یاد کئے جاتے تھے۔ اُن کا معمول تھا کہ غلاموں کو خرید کے لڑنے کیلئے تیار کرتے اُن کو جنگجوئی و خونریزی کی تعلیم دیتے۔ اور اُن کے جسم لڑائی کے مناسب بنلتے۔ اور جب امیروں اور سرداروں کو انسان کشی کا دنگل دکھانے کا شوق ہوتا اُن کے ہاتھ انھیں اچھے داموں پر فروخت کر ڈالتے۔ رومیوں میں ان مہیب دنگلوں کے دیکھنے کا شوق اس قدر بڑھ گیا تھا کہ جب کوئی امیرزادہ آبائی دولت کا وارث ہو۔ یا کوئی سردار کوئی فتح حاصل کر کے واپس آئے یا کسی اور کامیابی کی خوشی میں اظہار مسرت کا ارادہ کرے تو اُس کا سب سے زیادہ ناموری کا کام یہ تھا کہ ان خونیں پٹھوں کی لڑائی کا تماشہ اپنے احباب اور ہم وطنوں کو دکھائے تاجداران روم کو بھی اس کا بڑا شوق تھا جو ہاں وقتاً فوقتاً اپنے جشن طرب کو بھی خونی دنگل سے باوقعت اور دلچسپ بنایا کرتے۔

اس شوق کی زیادتی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ کوئی سال نہیں گزرتا جس میں دو چار سو پٹھے جان سے نہ مارے جاتے ہوں۔ اور بعض برسوں میں تو ہزاروں تک نوبت آ گئی۔ دسمبر کا مہینہ اس دلچسپی اور ان خونی دنگلوں کے لئے مخصوص تھا۔ جبکہ رومی سوسائٹیوں میں ان خونی پٹھوں کی لڑائی کی وجہ

سے بے انتہا گرم جوشی پیدا ہو جاتی۔

یہ خونی پٹھے روم میں کئی قسم کے ہوتے تھے۔ ایک تو معمولی قسم کے جو ایک ایک کر کے لڑتے۔ ۰۰ اور دلی ناری کہلاتے۔ ان کے لڑنے کا یہ طریقہ تھا کہ دو پٹھوں کی ایک ایک جوڑ اکھاڑے میں اُترتی۔ میدان میں آتے ہی لڑنے لگتے، اور دونوں میں سے ایک اپنے ساتھی کے ہاتھ سے مارا جاتا۔ دوسری قسم کے خونی پٹھے ،، قاتیر داری ،، کہلاتے۔ ان کی لڑائی کا یہ رنگ تھا کہ کئی کئی پٹھوں کی ایک ٹکڑی میدان میں آتی اور اپنے ہم عدد حریفوں سے مقابلہ کرتی۔ اور کوئی حریفوں کی جان لینے میں کوتاہی نہ کرتا۔ تیسری قسم کے پٹھے ،، اِی کوئی ٹیز کہلاتے۔ یہ گھوڑوں پر سوار ہو کے مقابلہ کرتے۔ اور حریف کے مار ڈالے جانے پر وارا نیارا ہوتا۔ چوتھی قسم کے پٹھے ،، رے تیاری ،، کہلاتے۔ یہ ایک لمبا کانٹا اور جال لے کے میدان میں آتے۔ ان کے حریف کے ہاتھ میں صرف ایک چھوٹی تلوار اور ڈھال ہوتی۔ جسکو جال پھینک کے وہ گرفتار کرتے۔ اور میدان ہی میں اُس کا کام تمام کر دیتے۔ پانچویں قسم کے پٹھے ،، آن دبلتے کہلاتے۔ یہ آنکھوں پر پٹی باندھ کے لڑائے جاتے۔ جو خود ان کے سروں پر چڑھا دیئے جاتے اُن میں کہیں سوراخ نہ ہوتا۔ جب یہ اپنے نابینا حریف کے پاس چھوڑ کے للکار دیئے جاتے اور بے دیکھے بھالے ادہر اُدہر ہاتھ مارنے لگتے۔ تو ان کے مضحکانہ بے نتیجہ حرکات اور خالی جانے والے حربوں پر ناظرین کو بڑا لطف آتا۔ چنانچہ سب سے زیادہ دلچسپی انھیں پٹھوں کی لڑائی میں ہوتی۔ اس لئے کہ اُس میں ظرافت اور مذاق کا بہت کچھ سامان موجود ہوتا۔ چھٹی قسم کے پٹھے ،، ہوپلوماشی ،، کہلاتے جو پورے سلحے اور خود و زرہ سے آراستہ ہو کے میدان میں آتے۔ اور بڑی سختی سے دیر تک مقابلہ کرتے رہتے۔

ان تمام پٹھوں کے لئے ضرور تھا کہ اگر سارے جسم پر زرہ نہو تو اپنے

بازو میں زرہ ضرور ہو۔ اور بجز ان کی تیاری ان پٹھوں کے جو جال لیکے میدان میں آتے تھے۔ سب کے سروں پر خود اور پٹھوں پر ڈھالیں ضرور ہوتیں۔ سدھانے سے اُن کی طبیعت اور فطرت ہی کچھ عجیب قسم کی ہو جاتی تھی۔ ایک ہی گھر میں ساتھ رہتے سہتے۔ اُٹھتے بیٹھتے۔ کھاتے پیتے۔ مگر میدان میں لاکے جب کسی سے جوڑ بد دی جاتی تو پھر اس کی جان کے دشمن اور اُسکے لہو کے پیاسے ہو جاتے اور حریف جو کل تک ہم پیالہ و ہم نوالہ تھا اُسکے حق میں اس قدر بے رحم بن جاتے کہ مغلوب یا زخمی ہونے کے بعد وہ لاکھ روتا پیٹتا۔ چیختا چلاتا اُنھیں اُسکے حال پر ترس نہ آتا۔ اور ناظرین کیلئے تو زخمی و نیمجان پٹھوں کا چیخنا اور کراہنا خاک و خون میں لتھڑ کے تڑپنا اور جان دیتے وقت ہاتھ پاؤں کھینچنا بڑی دلچسپی اور فرحت و انبساط کی چیزیں تھیں۔ جب کوئی پٹھا سخت زخمی ہو کے گرتا اور اس میں مقابلہ کی طاقت نہ باقی رہتی تو اُسکا حریف اُسکے پاس کھڑا ہو کے ناظرین کی طرف دیکھتا جس سے یہ دریافت کرنا مقصود تھا کہ "کیا حکم ہے، مار ڈالوں یا زندہ چھوڑ دوں؟" اس موقع پر ناظرین کا طرز عمل یہ تھا کہ وہ زخمی پٹھا اگر اچھی طرح اُن کی پسند کے موافق مقابلہ کر کے زخمی ہوا ہوتا تو وہ اپنے انگوٹھے نیچے کی طرف جھکا دیتے۔ یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ "زندہ رکھا جائے"! اور اگر وہ بے خوب لڑے زخمی ہو گیا ہوتا تو سب صاحب اپنے انگوٹھے اوپر کی طرف اُٹھا دیتے۔ اس کا یہ مطلب تھا کہ قتل کر ڈالو۔ اور اُسی وقت غالب اور جیتنے والا پٹھا اپنی تلوار کی نوک اُس کے سینہ میں پیوست کر کے کام تمام کر دیتا۔ اور انعام میں کھجور کی ٹہنیاں پاتا۔ پھر اس کے بعد زندہ بچ آنے والے پٹھوں کو کاٹھ کی تلواریں انعام میں عطا کی جاتیں۔

یہ تھیں اُسوقت کی یورپین تہذیب کی دلچسپیاں اور ایسی تھیں شوقینی اور تفنن کی بے رحمیاں جن کو مسیحیت نے رواج پانے کے بعد مٹا دیا۔ اور سچ یہ ہے کہ دنیا پر بہت ہی بڑا احسان کیا۔

بعض مرتبہ اِن خونی پٹھوں کے ہاتھ سے رومیوں کو سخت مصیبتوں کا بھی سامنا کرنا پڑا۔ چنانچہ ولادت حضرت مسیح سے چھتّر برس پیشتر یعنی ۶۴۷ سنہ قبل محمد میں جو ہتر پٹھے بگڑ کھڑے ہوئے تھریس کا ایک شخص اسپارٹاکوس نام اُن کا سرغنا بن گیا۔ شہر کاپوا میں اُنہوں نے اپنے مالک کو مار ڈالا۔ اور پہاڑوں میں بھاگ گئے۔ وہاں بہت سے ستم زدہ کسان اور خرد غلام اُن کے گروہ سے جا ملے اور ملک میں ایسا ہنگامہ مچ گیا کہ روم والوں کو گھروں میں چین سے سونا حرام ہوگیا۔ اور شہر روم کے باہر تو ہر شخص کو اپنی جان خطرے میں نظر آتی تھی مسلسل تین برس ان سرکش پٹھوں سے لڑائیاں ہوتی رہیں جن کا فتنہ کسی طرح فرو ہونے کو نہ آتا تھا۔ آخر قراسوس نام رومی سپہ سالار کے مقابلہ میں اسپارٹاقوس بڑی بہادری سے لڑکے مارا گیا۔ اور جو پٹھے زندہ بچے وہ بھاگ کے اِدھر اُدھر چلے گئے۔

ایسا ہی ایک ہنگامہ سنہ ۲۹ قبل محمد (سنہ ۲۸۱ع) میں پیش آیا جب کہ سرویوس قیصر تمام ممالک کے باغیوں کو مغلوب و مقہور کرکے اور اپنی حکمرانی کے متعلق پورا اطمینان حاصل کرکے خوشی خوشی رومتہ الکبریٰ میں داخل ہوا۔ اس کے جشن طرب کے موقع پر چھ سات سو خونی پٹھے اکھاڑے میں لڑانے کے لئے فراہم کیے گئے تھے۔ ان پٹھوں میں سے تقریبًا اسّی نے نہ گوارا کیا کہ امرائے روم کی دلچسپی کیلئے اپنی جانیں مفت دیں۔ بلا تامل اپنے محافظوں کو قتل کر ڈالا حراست سے بگڑ کے نکل کھڑے ہوئے۔ اور رومتہ الکبریٰ کی سڑکوں میں ہنگامہ مچا دیا۔ بہت سے لوگ اُن کے ہاتھ سے تہ تیغ ہوئے۔ اور اہل شہر کے حواس جلتے رہے۔ آخر قیصر کی باضابطہ فوج نے آکے ہنگامہ موقوف کیا۔ اور اُن سرکش پٹھوں کو چُن چُن کے مار ڈالا۔ تاہم بقول مسٹر گبن کے اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اُن کے لئے جس قسم کی موت تجویز کی گئی اُس سے زیادہ معزز موت اُنھوں نے اپنی قوت بازو سے حاصل کرلی۔

نمبر ۶

مذہبی اختلاف کی تاریخ کا آغاز فرشتوں سے ہوتا ہے جنہوں نے جناب باری کا ارادۂ تخلیق آدم سُن کے اعتراض کیا کہ خداوندا - کیا دنیا میں تو ایسے شخص کو رکھے گا جس سے وہاں فتنہ بپا ہو - اور خونریزیاں ہوں؟ حالانکہ ہم تیرے نام کی تسبیح و تہلیل کرتے ہیں" لیکن چونکہ اس عذر میں کسی قسم کا شر نہ تھا - اسی لیئے جب خداوند عزّ و جلّ نے اُنھیں اس کے اسباب و مصالح سمجھا دیئے تو اپنی لاعلمی کا عذر کرکے خاموش ہو رہے اور راضی برضا ہو گئے - لیکن جس اختلاف میں شرارت نفسانیت کی بو پائی جاتی ہو اُس کا آغاز شیطان سے ہوا جس نے سجدۂ آدم کے بارہ میں خدا کی نافرمانی کی - اور اپنی حجت سے باز نہ آیا - اور چونکہ اس کے اختلاف میں شر تھا اس لئے مردود و ملعون بارگاہ ایزدی ہو گیا -

انھیں دونوں واقعات سے مناظرہ کی ابتدا ہوتی ہے - ان نظیروں سے صاف طور پر نہایت وضاحت سے نظر آجاتا ہے کہ کونسا مناظرہ اور اختلاف بے شر اور ترقی و کامیابی بلکہ مقاصد ہستی پورا کرنے کے لئے ضروری و لازمی ہے - اور کسی مناظرہ میں شر اور بدنیتی مضمر ہے جو امر حق کا پتہ لگانے کے لئے نہیں بلکہ خودغرضی و نفسانیت کی بنا پر اور حق کی آواز دبانے - اور دنیا میں فتنہ و فساد پھیلانے کے لئے ہوتا ہے -

اس کے بعد دنیا میں مذہبی مناظرہ کا صرف یہ عنوان نظر آتا ہے کہ پیغمبر بدعقیدہ بدکاروں اور گناہگاروں کو خدا کی نافرمانی اور بدکاری سے روکتے ہیں - اور اسکی مخالفت میں چاہے کیسی ہی سختیاں کی جائیں اُنھیں برداشت کرتے ہیں اور اُف نہیں کرتے - اُن کی کوشش کا چاہے کوئی نتیجہ ظاہر ہو یا نہ ہو مگر وہ اپنی جانیں اپنے فرض منصبی کے ادا کردینے میں صرف کر دیتے ہیں - اور حق کی آواز بلند کرنے سے باز نہیں آتے - آخر اُن کا صبر و تحمل غضب الٰہی کو ہیجان میں لاتا ہے اور نافرمانی و بدکاری کے پاداش میں خوبیں کی قومیں پامال و فنا ہو جاتی ہیں -

اس کے چند روز بعد جب دنیا کا تمدن بڑھا اور مختلف المذہب و مختلف المذاق اقوام ایک دوسرے کے مغلوب کرنے اور اپنی عظمت بڑھانے کے لئے لڑنے لگیں۔ اور دنیا میں قتل و خون کا بازار زیادہ گرم ہوا اُس وقت ہمیں تعصب اور مذہبی اختلاف کی شان بھی بدلی ہوئی نظر آتی ہے۔ ان دنوں بت پرستی دنیا کا عام مذہب تھی اور سوا خدا پرستان بنی اسرائیل کے جو ایک کونے میں پڑے تھے۔ ساری دنیا صنم پرستوں سے بھری ہوئی تھی۔ اور انہیں کی عظمت بھی دنیا پہ غالب تھی خصوصاً سب سے زیادہ اوج و عروج دو قوموں کو حاصل ہوا۔ ادھر وادی دجلہ فرات میں اسیریا اور بابل والوں کو جن میں بعل کی پرستش ہوتی تھی ادھر وادی نیل یعنی ملک مصر میں فراعنہ کی سلطنت قائم ہوئی۔ یہ دونوں سلطنتیں چاہتی تھیں کہ اپنی عظمت ساری دنیا کی دوسری قوموں سے منوالیں۔ چونکہ ان میں مذہبی تبلیغ کا پتہ نہیں چلتا۔ اس لئے دیگر اقوام و ملل کے لوگ اُن کے دین میں نہیں داخل ہو سکتے تھے۔ جس کا نتیجہ یہ تھا کہ اُن کی لڑائیاں مذہبی لڑائیاں نہ تھیں بلکہ قومی لڑائیاں تھیں۔ مگر اپنی قومی عظمت منوانے کا سب سے زیادہ اہم ذریعہ اُن میں یہ تھا کہ اپنے دیوتاؤں اور معبودوں پر دوسری قوموں کے لوگوں کو پکڑ کے بھینٹ پڑھادیں۔ مصر والوں میں تو ایسے مظالم کم ثابت ہوتے ہیں۔ مگر بابل والوں نے لاکھوں بیگناہوں کی جان اسی طرح لی اور وہ بڑا آتش خانہ جو بعل کی دیوتا مورت کے دونوں زانوؤں کے نیچے تھا اُس میں لاکھوں آدمی جھونک کے جلادیئے گئے۔ ہزارہا خلقت زنجیروں میں جکڑی ہوئی لائی اور اُس آتشیں تنور میں ڈھکیل دی جاتی تھی۔

تاہم اگر کسی قوم میں ایسی جان ستانی نہ تھی تو اتنا ضرور تھا کہ اپنے معبودوں کے آگے دوسروں کا سر جھکوایا اور اُنھیں ذلیل و خوار کیا جائے۔

یہ دونوں سلطنتیں مدتہائے دراز تک ترقی و عروج حاصل کرتی رہیں یہاں تک کہ ملک گیری میں سبقت کرتے کرتے ایک دوسرے سے ٹکرا گئیں۔ بنی اسرائیل سے

عروج وزوال کا قصہ انھیں دونوں قوموں کی تاریخ کے ذیلی واقعات ہیں مصریوں نے حضرت یوسف کی قدردانی کرکے بنی اسرائیل کو بڑھایا جن کے دامن عافیت میں اُنکا نشو ونما ہوا۔ مگر جب وہ بڑھے اور اپنے مذہب توحید سے باز نہ آئے اور مصریوں کے دیوتاؤں کے آگے سر نہ جھکایا تو اُن پر ظلم ہونے لگے اور آخر انھیں کے ستانے کا یہ نتیجہ ہوا کہ حضرت موسیٰ اپنی قوم کو لیکے مصر سے نکلے اور ارض فلسطین میں آکے آباد ہوئے۔ لیکن اب بھی اس کا پتہ نہیں چلتا کہ مصری سوا اس کے کہ بنی اسرائیل کو ذلیل کریں اور اُن کے ساتھ جانوروں کا سا برتاؤ کریں کبھی اس بات کے خواستگار ہوئے ہوں کہ انھیں اپنے مذہب میں شامل کریں اس کے بعد بنی اسرائیل پر بابل والونکا حملہ ہوا۔ اور وہ بیت المقدس لے معبد الٰہی کو پامال کرکے تمام بنی اسرائیل کو اپنے ہم مذہب بنانے کی کوشش کیگئی ہو۔ صرف اسی قدر ہوا کہ بنی اسرائیل جلاوطن تھے اور اپنے فاتحوں کے غلام لیکن اُن کے مذہب میں کبھی دخل نہیں دیا جاتا تھا بلکہ اُسوقت تک ساری دنیا میں اس قسم کا مذہبی تعصب کہیں نہیں نظر آتا تھا کہ کسی مذہب کے پیروؤں پر اسلئے حملہ یا ظلم وجور کیا جائے کہ وہ اپنا مذہب چھوڑ کے اُن کے ہم مذہب بنجائیں اس کے چند روز بعد دونوں جگہ یعنی مصر میں بھی اور بابل میں بھی بڑا بھاری مذہبی انقلاب ہوا۔ بابل پر ایرانیوں نے فتح پاکر وہاں کے قدیم مذہب صابئی کو پامال کرڈالا۔ اُن کے مقتدایان دین قتل کئے۔ اُن کے مندر اور بت خانے کھود ڈالے۔ اور جہانتک بنا اُن کے نام ونشان کو بھی مٹا دیا۔ مصر پر یونانیوں نے غلبہ پایا اور پُرانے مصری بتوں کے عوض اپنے یونانی بتوں کی پرستش کرانا شروع کی اور مصر کی قدیم ترین تہذیب یونانیوں کے ہاتھ سے تباہ وبرباد ہوئی مگر اب بھی وہی قومی تعصب جلوہ افگن تھا۔ مذہبی تعصب کا پتہ نہیں چلتا۔ اس زمانہ میں سکندر کی اولوالعزمی سے جہاں مصر یونانیوں کے زیر نگین ہوا بابل و ایران بھی اُس کے مطیع فرمان ہوئے۔ سکندر کی یہ حالت تھی کہ دوسرے مذہبوں سے

بہت کم مزاحم ہوتا تھا اور بے تعصبی یہانتک بڑھی ہوئی تھی کہ گو اپنے دیوتاؤں
کی پرستش ہر مقام اور ہر حال میں کیا کرتا مگر کبھی دوسری قوموں کے معبود دیکھ
آگے بھی سر جھکا دیا کرتا۔ تاکہ انکو خوش کرکے اُن سے بھی برکت حاصل کرلے۔ لیکن
اُسکے متجاب ہونے سے مذہب زرتشتی کا شیرازہ ٹوٹ گیا تھا جو ایرانیوں کا پُرانا
قومی مذہب تھا۔ چنانچہ سکندر کے بعد اُس مذہب میں بڑے بڑے اختلاف
پڑے۔ بیسیوں فرقے نکل آئے اور اُن فرقوں کے باہمی اختلافات میں اصلی
مذہب زرتشتی فنا ہو گیا۔ مگر تھوڑے دنوں کے بعد جب اردشیر بابکاں نے دیگر
حکمرانان عجم پر غلبہ حاصل کرکے طوائف الملوکی کو دنیا سے دُور کیا تو دین زرتشتی
کے فرقوں کو یکجا کرکے ایک خاص طریقہ سے باہمی اتحاد پیدا کردیا۔ اُس کی جستجو میں
جو عقائد و اصول سچے ثابت ہوئے وہ دین مجوسی کے آئین و اصول قرار پائے
اور جن فرقوں نے اُنکے ماننے سے انکار کیا مبتدع و ملحد اور بے دین وکافر قرار
دیے گئے جنھیں اردشیر بابکاں اور اُسکے جانشینوں یعنی تاجداران آل ساسان
کی حکومت نے فنا کردیا۔

مذہب مجوس میں اس قسم کا تعصب بے شک تھا کہ دوسری قوموں کے
مذاہب کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے مگر سوائے ابتدائی زمانہ کے جبکہ
اسفندیار نے اس مذہب کی تبلیغ کی تھی اور اُس کے لئے جہاد شروع کیا تھا
اور کبھی نہیں ثابت ہوتا کہ زرتشتیوں نے دوسرے مذہب والوں کو اپنے مذہب میں
شریک کرنا چاہا ہو۔ اگرچہ بعض صوبجات کے لوگ خوشامد کے لئے خود ہی اُنکے آئین
مذہبی کے پیرو ہو گئے۔ جیسے کہ عرب کا صوبۂ حیرہ تھا جہاں کے لوگوں نے دین
آتش پرستی قبول کرلیا تھا۔ مگر ساسانیوں نے نہ اُن کو اپنا ہم قوم سمجھا اور نہ اُن سے
ویسا برتاؤ کیا جیسا کہ اپنے مذہبیوں کے ساتھ کرتے تھے۔

لیکن دولت ساسانی کے آغاز ہی میں ارض یہودا اور فلسطین سے دین عیسوی
نمودار ہو کے سلطنت روم کے آغوش میں پرورش پانے لگا۔ یہ ایک سچا دین الٰہی تھا

اور ما سوا اللہ کے علائق سے خلقت کو آزاد کرانے والا۔ مگر حواریین مسیح کے زمانہ ہی
اس میں رومی بت پرستی کی آمیزش ہونے لگی۔ اصلی دین ارض یہود کے چند خدا پرستوں
کی زندگی کے ساتھ ختم ہو گیا۔ اور جس دین کی پرورش دولت روم کر رہی تھی وہ بت
پرستی کی آغوش کا پلا ہوا تھا اور اس میں خداشناسی و خداپرستی کے جذبات کم رہ گئے
تھے۔ قسطنطین اعظم کے پولٹیکل مصالح سے اس دین نے پرانی خالص بت پرستی
اور دیوتاؤں کی حکومت پر فتح پائی۔ اور ہر قوم و ملت کے لوگ توبہ کرا کرا کے
اس دین میں شامل کئے جانے لگے اور اسی وقت سے مذہب قومیت سے
جدا قرار پایا اور عام دعوت کی جانے لگی۔

بس اسی وقت سے مغرب میں مناظرہ اور مکابرہ کی اور محض دین کے لئے تعصب
کرنے کی بنیاد پڑی۔ کیونکہ اس سے پیشتر ہر قوم کا مذہب جداگانہ تھا۔ اور قومی تعصب
ہی وجہ سے غیر اقوام کے مذاہب بھی ذلیل کئے جاتے تھے۔ مشرق میں آریہ مذہب
کے مقابل بودھ مذہب نے بھی تبلیغ کے ذریعہ سے دیگر اقوام کو اپنے مذہب میں
داخل کیا۔ اور اس کے بعد جب ہندوؤں کا زور ہوا تو انھوں نے بھی غالباً ایسا ہی
کیا ہوگا۔ علیٰ ہذا القیاس جب مذہب زرتشتی نے بابل کے پرانے مذہب صابئی کو
مغلوب و مقہور کیا ہے تو اس کے ہزارہا پیرووں کو بھی اپنے حلقہ و گروہ میں شامل
کر لیا تھا مگر چند ہی روز بعد اُن سب مذہبوں میں تبلیغ کا سلسلہ موقوف ہو گیا
اور وہ سب مذہب قومی مذہب قرار پا گئے یعنی بعد کے زمانوں میں یہ دشوار
ہو گیا کہ کسی اور قوم یا مذہب کا آدمی اپنے مذہب کو چھوڑ کے اُن کے مذہب میں
شامل ہو سکے مگر مسیحیت میں اس کے خلاف یہ بات نظر آتی ہے کہ خود حضرت مسیح کی
تعلیموں سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ خاص مذہب یہود کی اصلاح اور
اُن کے اصول و عقائد میں ریفارم کرنے کے لئے دنیا میں تشریف لائے تھے مگر
بعد والوں اور خصوصاً اُن مسیحیوں نے جن کے مذہب کی بنیاد رومی بت پرستی کے
کھنڈروں پر رکھی گئی تھی اس دائرہ کو وسیع کر دیا۔ اور ہر گروہ کو اپنی طرف بلانے لگے۔

مسیحیوں نے جواب تبلیغ عام کا سلسلہ ڈالا تو ایک طرف اُن کے مقتدایان دین مشنری اور بھی بنکے اقطار عالم میں بھیجے گئے جو ہر کہ ومہ کو اپنے مذہب اور گروہ کیطرف بلاتے تھے اور دوسرے مذہبوں کے مقتداؤں کے مقابل خلاف فطرت واقعات اور کرامات ومعجزات کے دعوے کرکے اپنی حقیت ثابت کرتے تھے۔ دوسری طرف اُن کے بادشاہ غیر مذہب والوں پر طرح طرح کے مظالم کرتے اور سب کو مذہب مسیحی اختیار کرنے پر مجبور کرتے تھے تمام اگلے رومی اور یونانی بتخانے منہدم کر دیئے گئے۔ رومیوں کیلئے بغیر اس کے کہ اس نئے مذہب کو قبول کریں مفر نہ تھا۔ یہودی جو اپنے دین میں نہایت مضبوط وسخت تھے اُن پر بھی ایسے ایسے مظالم ہوئے جن کو سُن کے آج تک لوگ کانپ اُٹھتے ہیں۔ بیت المقدس مسمار پہلے ہی ہو چکا تھا اب اُسکا نام بھی مٹا دیا گیا۔ یروشلیم کے اندر کسی یہودی کو آنے کی اجازت نہ تھی اور وہ اسکی دیواروں سے دور ہی دُور رہتے تھے اور چونکہ ساری دنیا میں مسیحی حکومت کا زور تھا اس لیئے اُن کو کہیں پناہ نہ ملتی تھی۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ بہت سے یہودی اپنی جان بچانے کیلئے عرب کے ریگزاروں میں آکے پناہ گزین ہو گئے۔

بہرحال وہ تعصب جو محض اسلئے ہو کہ کسی فریق وقوم سے اُسکا مذہب چھڑایا جائے عیسائیوں سے شروع ہوا۔ اور عیسائیوں سے پہلے اس کا پتہ نہیں لگتا۔ صرف ایران میں جہاں مذہب زرتشتی پوری قوت کے ساتھ قائم تھا اور ایک زبردست سلطنت اُسکی حامی ومددگار تھی عیسائیوں کا کچھ زور نہیں چلا۔ نہ وہاں مسیحی مقتداؤں کی آواز سُنی گئی اور نہ وہاں رومیوں کی تلوار ایرانیوں کے شمشیر وخنجر کو کمزور ثابت کر سکی تاہم سرحدی صوبجات میں عجیب خرابیاں پیدا ہو گئی تھیں جب رومیوں کا قبضہ ہو جاتا اُن میں مسیحیت کا زور ہو جاتا اور جب پارسی غالب آجاتے پھر مذہب آتش پرستی چمک اُٹھتا۔ مگر خرابی یہ تھی کہ مسیحیت ہر شخص کو اپنے آغوش میں لے سکتی تھی اور مجوسیت ایک قومی مذہب تھی جس میں نئے لوگ نہیں داخل ہو سکتے تھے اسی وجہ سے اُن تمام جھگڑوں میں مسیحی مذہب غالب رہا۔ اور اسکے پیروؤں کی تعداد روز بروز بڑھتی گئی۔

دنیا میں مسیحیت کے غالب آنے کے بعد جناب سرور کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صلعم

کا دین آیا۔ زمین عرب سے نکل کے دنیا میں پھیلنا شروع ہوا۔ اور رسالت محمدی کی تبلیغ ہر قوم وہر گروہ کو اپنی طرف بلانے اور نجات کا یقین کامل دلانے لگی۔ مسیحیت کو اب ایک پورا اور زبردست رقیب اسلام کی صورت میں ملا۔ مسلمانوں میں چند روز بعد مشنری بھی پیدا ہو گئے۔ مگر ابتداءً جب وہ اپنے دین کی تبلیغ کیلئے عرب سے نکلے ہیں تو وہی سپاہی تھے اور وہی مشنری۔ وہ تلوار کے زور سے ان مزاحمتوں کو روکتے جو راستہ میں حائل ہوئیں اور اشاعت دین سے مانع ہوتیں۔ اور اپنے طرز عمل اپنی نیک نفسی و پرہیزگاری اپنی نیک الفاظی و پاکبازی اور نیز اپنی فصاحت و بلاغت سے اسلام کی حقیقت کو ثابت کرتے۔ چند ہی روز کی کوشش میں انھوں نے دنیا کو اپنے اور عیسائیوں کے درمیان میں نبٹا لیا۔ زرتشتی اور روم کی مشرقی سلطنتوں کا تو ان کے ہاتھ سے خاتمہ ہو گیا۔ سارے ایرانیوں کے مسلمان ہو جانے سے ایران میں صرف چند آتش پرست باقی رہ گئے۔ اور مشرقی روم کے علاقہ میں بھی غالب آبادی مسلمانوں ہی کی تھی اور افریقہ میں مراکو سے روم تک جہاں دین عیسوی لوگوں کا عام مذہب تھا مسیحیت بالکل فنا ہو گئی۔

مسلمانوں میں بے شک ایک گونہ تعصب تھا مگر اس قدر نہیں کہ کسی کو زبردستی مسلمان کریں یا مسلمان ہو جانے پر کسی کو مجبور کر دیں۔ ملک گیری و فتحیابی میں اس وقت تک یہ عام قاعدہ تھا کہ دشمن کے جتنے لڑنے والے سپاہی گرفتار ہوتے وہ قتل کر ڈالے جاتے اور عام رعایا میں سے جتنے بھی چاہتا غلام بنا لئے جاتے۔ اور باقی ماندہ محکوم رعایا کی حیثیت سے اطاعت و فرمانبرداری کی زندگی بسر کرتے مسلمانوں نے اس میں اتنا تغیر کر دیا کہ اسیران جنگ میں سے جتنے پکڑے جاتے اگر دین اسلام قبول کر لیتے تو چاہے کسی قوم کے ہوں اپنے بھائی اور اپنے برابر کے حق دار بنا لئے جاتے لیکن اگر انھیں اپنا مذہب چھوڑنے میں تامل ہوتا تو جزیہ یعنی فی کس ایک معمولی ٹیکس سالانہ ادا کرنے پر چھوڑ دیئے جاتے اور ان کی جان و مال کی حفاظت کی ذمہ داری کر لی جاتی۔ اور اس میں یہاں تک آزادی

بنی جاتی کہ اگر اُس عہد کے واقعات پر اچھی طرح غور کیا جائے تو مسلمان شہ فرمی
(جزیہ دینے والے) کے حقوق میں بہت ہی کم فرق نظر آتا ہے غرض ان اقتدات
نے ادہر فتوحات عرب کی بدولت مسیحی سلطنتوں کے وہ مظالم موقوف کرائے جو
دوسرے مذہبوں پر ہو رہے تھے - ادہر اسلامی مبلّغان دین نے مسیحی مشنریوں کی
زبان بندکی - اب نہ اُنکے وہ معجزات وکرامات تھے جن کی عیسائیوں میں شہرت
ہو رہی تھی اور نہ وہ پرزور مباحث جنہوں نے دیگر ادیان وملل کی زبانیں بند
کر دی تھیں -

اس میں شک نہیں کہ مسیحیت ایک سچا دین تھی اور جس وقت اُس میں وہ
سچائی تھی اُسکے دعوے بھی زبردست تھے جن کا کوئی جواب نہ ہو سکتا تھا مگر ظہور
اسلام سے چند صدی پیشتر جو مسیحیت دنیا میں پھیلی ہوئی تھی وہ حقانیت کے
بازار میں کامل العیار نہ تھی اُس میں رومی بت پرستی کا بہت بڑا عنصر ملا ہوا تھا -
وہ موحد خدا پرستان بنی اسرائیل کے مذاق توحید اور انبیائے سلف کے رسم
وآئین سے جس قدر دور تھی اُسی قدر رومی بت پرستوں کے مذاق سے
قریب - وہ مصر وروم کی بت پرستی کے مقابلہ میں بے شک غالب آ سکتی تھی
اس لئے کہ اُس میں حقانیت کی چند ڈھندلی شعاعیں ضرور موجود تھیں مگر اسلام
کی خالص اور بے لگاؤ توحید کے مقابلہ میں غالب آنا دشوار تھا -

اسلام ہی وہ مذہب ہے جو فتحمندی وحکمرانی کے بغیر اپنے حکمرانوں اور
فاتحوں پر غالب آیا - اور اب بھی اس میں شک نہیں کہ افریقہ اور دیگر ممالک ارض میں
مسلمان مفتوح ومحکوم ہیں مگر اسلام اُسی طرح غالب ہے اور اُس فتحمندی کا سلسلہ
آج بھی اُسی طرح جاری ہے - بے شک عیسائی مشنری بت پرستوں کو یہ کہہ کے
قائل کر سکتے تھے کہ بت پرستی شرک ہے اور خدائے واحد کو مان کے بیجان مورتوں
کے آگے سجدہ کرنا سخت بے عقلی - لیکن مسلمانوں کے اس سوال کا جواب اُنکے
پاس نہ تھا کہ روحانی اور مجرد عن المادہ خدا جس کی شان ایک قوت مجردہ کی سی

ہو اُس کے لئے بیٹا کیسا۔ اور نہ اُن کے حل کئے یہ معمہ حل ہو سکا کہ وحدۃ فی التثلیث اور تثلیث فی الوحدۃ کے محال عقلی پر کیونکر یقین کیا جائے۔ یہ وہ چیزیں ہیں جو بت پرستی سے ماخوذ تھیں اور اسی لئے اسلام کی خالص اور غل وغش توحید کے مقابلہ میں کبھی سرسبز نہ ہو سکیں۔

اصلی مناظرہ وہ ہے جو کسی مذہب کے عقائد اور مسلمات مذہبی کے متعلق ہو۔ اس قسم کا مناظرہ مسیحی صرف بُت پرستوں سے کر سکے اور کر سکتے ہیں اسلام سے مناظرہ کرتے وقت وہ مناظرہ کے اصلی مرکز سے گریز کر کے ذاتیات میں پڑتے اور مقتداؤں اور پیغمبر (صلعم) کی زندگی پر نکتہ چینی شروع کر دیتے ہیں اور مسلمان مناظرین بھی مغالطہ میں پڑ کے کبھی کبھی حضرت مسیح کے دامن عصمت میں دھبہ لگانے کی کوشش کرنے لگتے ہیں۔ انسانی زندگی ایسی چیز ہے کہ چاہے وہ کیسی ہی معصوم صفت بزرگ کی زندگی ہو اُس پر ہر شخص اپنے مذاق و خیالات کے مطابق کچھ نہ کچھ نکتہ چینی ضرور کر سکتا ہے۔ لیکن ایسی لڑائی کہ ایک کہے ہمارے پیر کی ڈاڑھی بڑی ہے اور دوسرا کہے کہ ہمارے پیر کی ڈاڑھی بڑی ہے اصل بحث پر کچھ اثر نہیں ڈال سکتی۔ مسیح و محمد علیہما السلام بالذات چاہے کیسے ہی بتائے جائیں مگر اس سے دنیا میں کوئی نہیں انکار کر سکتا کہ جو عقائد محمد صلعم نے بتائے اُن میں ازلی وابدی سچائی ہے اور جن عقائد کو مسیحیت پیش کر رہی ہے وہ نہ خود حضرت مسیح سے ثابت کئے جا سکتے اور نہ کبھی دنیا کی سمجھ میں آ سکتے ہیں۔

بہر تقدیر مناظرہ کی تاریخ کا آغاز صحیح معنوں میں مسیحیوں سے شروع ہوا۔ اور اسلام کے ظہور کے بعد ابتداءً عیسائی اور مسلمان ہی مناظرہ کر رہے تھے۔ اسی طرح اُن کے اندرونی فرقوں میں بھی جھگڑے پڑے ہوئے تھے جن کی وجہ سے مناظرہ کا بازار ساری دنیا میں گرم تھا۔ اب تہذیب و تمدن کے زمانہ میں ہندوؤں نے بھی مناظرہ کی طرف توجہ کی ہے۔ گو اُن میں سوا اپنی اور اپنے مذہب کی حمایت کے تبلیغ دین کی شان نہیں ہے اس لئے کہ امم سابقہ کی طرح ہندو مذہب بھی کسی نئے ایمان لانیوالے

کو اپنے مذہب اور گروہ میں نہیں شامل کرسکتا ہے۔ تاہم پادریوں اور دیگر حملہ آوروں
کی مضرت سے بچنے کیلئے انھیں ردّو قدح کی ضرورت ہے۔

غور طلب یہ امر ہے کہ مناظرہ اور ایک دوسرے کی تردید سے مذاہب کو
کسی قدر فائدہ پہونچتا ہے۔ اور اگر پہونچتا ہے تو وہ کس حد تک فائدہ بخش ہوتا
ہے۔ بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جسقدر ہم ازروے استدلال اپنے اصول وعقائد کو
ثابت اور دوسروں کے معتقدات کی تردید کرینگے اُسی قدر لوگ ہمارے دین
میں زیادہ داخل ہونگے لیکن نتیجہ کو دیکھئے تو بالکل اس کے خلاف ہے۔

مناظرہ تعصب کو بڑھاتا۔ حق جوئی کے جذبہ کو دبا کے سخن پروری پر آمادہ
کرتا اور اصلی بحث سے ہٹا کے ذاتیات کے شرمناک جھگڑوں میں ڈال دیتا ہے۔
مناظرہ میں انسان اکثر نفس عقائد واصول سے تجاوز کرکے ایک دوسرے کے
مقتداؤں کو برا بھلا کہنے لگتا ہے۔ پھر اُسکے بعد الزامی جوابوں کی بھرمار ہوتی ہے
جن کا مآل یہ ہوتا ہے کہ اپنے نقائص وعیوب سے چشم پوشی کرکے دوسرے کے
عیب نکالے جائیں۔ اور خاتمہ اس پر ہوتا ہے کہ ہر فریق دوسرے مناظر فریق کے مغلوب
کرنے کے لئے طرح طرح کی غیر مہذب اور مجرمانہ کوششیں کرنے لگتا ہے۔ پھر اگر یہ دیکھا جائے
کہ ان شرمناک کارروائیوں کے اختیار کرنے کے بعد فائدہ کیا ہوتا ہے تو صاف نظر
آجائیگا کہ کچھ نہیں۔ اس لئے کہ مذہب کا یقین انسان کو دلیلوں کی بنیاد پر نہیں
ہوتا بلکہ بچپن کی صحبت وتعلیم۔ سوسائٹی اور معاشرت کے اثر۔ بزرگوں کی عظمت
اور اپنی جماعت کے جمہوری مقاصد واغراض سب مل کے انسان کے دل میں اس
بات کا یقین پیدا کیا کرتے ہیں کہ جس مذہب کے ہم پیرو ہیں وہی سب سے اچھا
اور سب سے سچا مذہب ہے اور یہ یقین دل ودماغ پر اس قدر حاوی ہوجاتا ہے
کہ کوئی دلیل چاہے کیسی ہی مضبوط اور زبردست ہو اُس کو مٹا نہیں سکتی
اس کا نتیجہ ہے کہ ردو قدح اور اثبات وتردید سے کبھی کسی مذہب کو مغلوب
نہیں کیا جاسکتا۔ اور نہ اُسکے معتد بہ افراد اپنا مذہب بدلتے پایا۔

بے شک عیسائی مشنریوں نے ہندوستان میں یا بعض جزائر کی وحشی قوموں میں اپنے دین کو پھیلادیا ہے۔ مگر اُن کی اس کامیابی کے دوسرے اسباب ہیں وہاں عیسائیوں نے اپنے تمدن کو زیادہ اعلیٰ دکھایا۔ اپنے افعال واقوال سے اخلاق حسنہ کے بے انتہا اچھے نمونے دکھائے اور اُن کی نظر کے سامنے اعلیٰ درجہ کے ایثار نفس اور ہمدردی کی نظیریں پیش کیں۔ روپیہ پیسہ دے کے غریبوں اور محتاجوں کو زیر بار احسان کیا اور ہمدردی و دردمندی ظاہر کر کے متوسط اور اعلیٰ طبقہ والوں کے دلوں میں اپنی جگہ پیدا کی اور ان سب باتوں کا مجموعی اثر یہ پڑا کہ بہت سے لوگوں نے مذہب عیسوی اختیار کر لیا

یہی اصول قرن اول کے مسلمانوں کا تھا۔ جنھوں نے ملک گیری کو نہایت باضابطہ تہذیب کا پابند کر دیا تھا۔ ملک پر قابض ہو جانے اور حکومت کو ملیٹ لینے کے بعد بھی وہ سوا اس کے کہ رعایا سے ملکی خراج لے لیں اُن کے مذہب سے تعرض نہ کرتے تھے۔ ہر مذہب کو پوری آزادی تھی اور ہر شخص مختار تھا کہ جس مذہب کا چاہے پیرو رہے۔ لیکن اُن لوگوں کے سامنے اس بات کی نمایاں نظیریں پیش کی جایا کرتی تھیں کہ وہ اگر مسلمان ہو جائیں گے تو انسانی صفات میں وہ کس قدر ترقی کر جائیں گے۔ اُن میں کیسی نیک نفسی ہوگی۔ کیسی اخوت ہوگی کتنی بڑی پابندی اصول ہوگی۔ اور کیسی سچائی راست بازی اور اتقا و پرہیزگاری کے نمونہ اُن کے گروہ سے نمایاں ہونگے۔ یہ باتیں تھیں جنھوں نے یہ نتیجہ ظاہر کیا کہ جس ملک میں چند مسلمان بھی جا کے رہے۔ تھوڑے دنوں میں سارا ملک مسلمان ہو گیا۔

مسیحیوں میں آج کل اس بات پر بہت غور ہو رہا ہے کہ مسلمانوں پر اور خاصتہً افریقہ میں باوجودیکہ حکومت کا اثر روز بروز بڑھتا جاتا ہے مسیحیت کو کیوں نہیں ترقی ہوتی۔ اس کا اصلی سبب بجائے کا نفرنسیں کرنے کے وہ ہم سے پوچھ لیں۔ اصلیت یہ ہے کہ وہ محض مناظرہ ومجادلہ کے ذریعہ سے چاہتے

میں کہ اُن کے بچپن کے راسخ یقین کو مٹا دیں جو امر کہ غیر ممکن ہے بعض غریبوں کو وہ روپیہ بھی دیتے ہیں مگر ذلیل کر کے اور اپنے سے ادون و حقیر خیال کر کے۔ یورپ کے مسیحی مذہبی اخوت کا رشتہ مضبوط کرنا درکنار غیر ملکوں کے مسیحیوں کو اپنی سوسائٹی میں بھی نہیں لیتے۔ اس کے مقابل جیسی برادرانہ ہمدردی انھیں مسلمانوں میں نظر آتی ہے۔ اور ترک مسکرات کی وجہ سے پاکبازی کے جو اعلیٰ نمونے پیروان دین محمدی میں دکھائی دیتے ہیں کسی جماعت میں نہیں دکھائی دیتے۔ انہیں اسباب سے ہماری رائے ہے کہ اسلام کے مقابلہ میں مسیحیوں کو کامیاب ہونا بہت دشوار ہے۔

ہندوستان میں مشنریوں کو اس وقت تک جو کامیابی حاصل ہوئی ہے صرف ادنی طبقہ اور اُن غیر آریہ ادنی قوموں تک محدود ہے جن کو یہاں کی کوئی معزز جماعت اپنے پاس نہیں بیٹھنے دیتی۔ اُن کو بے شک اپنے گروہ میں کوئی عزت نہیں نظر آتی۔ اور یہ خیال دلادیا جاتا ہے کہ عیسائی ہو جانے کے بعد تم یہاں کے معزز لوگوں کے برابر ہو جاؤ گے۔ محض اس مغالطہ سے وہ لوگ عیسائی ہو جایا کرتے ہیں۔ اور پھر لطف یہ کہ جو مسیحیت اُن میں پھیلائی جاتی ہے وہ دراصل مذہبی مسیحیت نہیں بلکہ ایک قسم کی پولٹیکل مسیحیت ہے۔ جس کا مقصد صرف اسی قدر ہے کہ وہ فقط مردم شماری میں گنوانے کے لئے عیسائی بنلئے جاتے ہیں ورنہ حقیقت میں ویسے ہی ضعیف الاعتقاد بت پرست بنے رہتے ہیں جیسے کہ پہلے تھے۔

ان سب باتوں سے صاف نظر آجاتا ہے کہ مناظرہ سے سوا خرابیاں اور طرح طرح کی بداخلاقیاں پیدا ہونے کے دنیا کو کسی قسم کا فائدہ نہیں پہونچ سکتا۔ اور دنیا بہت بڑے امن میں آجاتی اگر مناظرہ کا سدباب ہو جاتا۔

تماشائے معجزات

دین مسیحی کو یہ عجیب خصوصیت حاصل ہے کہ ابتدا ہی سے اُس کے مبلغین نے حضرت مسیح کی حقیقی تعلیموں سے بے پروا ہو کے اپنے قیاسی اور خیالی منصوبوں کو اصل دین قرار دے لیا۔ پہلے جناب پولوس نے عام اتباع دین کی ہوس میں توراۃ کو جسے جناب مسیح ہمیشہ اپنا ایمان بتاتے رہے تھے پس پشت ڈال کے اپنی من مانی شریعت بنا لی۔ اس کو نہ دیکھا کہ حضرت مسیح کا دین کیا ہے فقط یہ دُھن تھی کہ رومی و یونانی کسی طرح مسیح کے ماننے والے بنا لئے جائیں۔ اسکے بعد مسیحیت کی قسمت مقتدایان امت کی کونسلوں کے ہاتھ میں تھی جو روز روز نئی باتیں دین میں داخل کرتیں اور اپنے قیاس اور اپنی ہواؤں سے جو فتوے چاہتیں دیدیتیں۔ ان باتوں کا لازمی نتیجہ تھا کہ مسیحیوں میں بدعت کوئی چیز نہ تھی۔ اصلی شارع سے سروکار نہ تھا۔ اور جس کارروائی کو جی چاہتا بشپوں کی پنچایت اور پوپ صاحب کی جو دھراہٹ میں منظور کر لی جاتی اور سمجھ لیا جاتا کہ اُسے روح القدس نے ان بزرگوں کے سینے میں القا کر دیا ہے۔

چنانچہ ان آزادیوں کے تصویر پرستی صلیب پرستی رہبان پرستی اور اسی طرح کی سیکڑوں بدعتیں جو شرک کے درجے کو پہونچی ہوئی تھیں ساری دنیا میں پھیلا دیں۔ انھیں بدعتوں میں سے ایک تماشائے معجزات بھی تھا۔ یعنی آسمانی مقدس کتابوں کے قصوں اور واقعات کو ناٹک کی طرح تھیٹروں کے اسٹیج پر دکھانا۔ جس کا رواج حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے تقریباً دو سو برس پیشتر سے شروع ہو کے گیارہویں صدی نبوی تک زور پر تھا اور آج بھی بعض جگہ باقی ہے۔

ابتداءً مقتدایان دین مسیحی اور سرگروہان کلیسا ڈراما یا ناٹک کے بہت ہی خلاف تھے۔ اور کوشش کرتے کہ مسیحی ان تماشوں سے باز رہیں۔ مگر اسمیں کامیابی نہ ہوئی طلوع کوکب احمدی سے دو سو برس پیشتر جب انھیں یہ نظر آیا کہ تھیٹروں کے دیکھنے کا شوق ہمارے دبائے نہیں دبتا تو آمادہ ہو گئے کہ لوگوں کو تھیٹروں سے روکنے کے عوض یہ طریقہ اختیار کریں کہ اس تماشا بازی ہی کو اپنا بنا لیں۔ چنانچہ لاؤدیقیہ کے اُسقف اپالی ماریس اور اس کے چند اور اشخاص نے ایسے ڈرامے لکھے جو توراۃ و انجیل کے بعض اہم واقعات سے ماخوذ تھے۔

اس کے بعد تاریخ خاموش ہے۔ اور صاف طور پر نہیں پتہ چلتا کہ وہ مذہبی ڈرامے ناٹکوں میں اسٹیج پر دکھائے بھی گئے یا نہیں۔ لیکن چھٹی صدی نبوی میں قسطنطنیہ کے ایک مسیحی مقتدا تھیوفی لیکٹ نے اس اندیشے سے کہ لوگ مسلمانوں کی باتیں کرتے ہیں

اپنے دین سے برشتہ نہ ہو جائیں کئی ہی ڈرامے کے عوام کے سامنے پیش کیے۔ اب مقتدایان ملت عیسوی اس قسم کے اور ڈرامے لکھنے لگے۔ اور لکھنے ہی تک محدود نہیں کھا بلکہ خود ہی ان کو اسٹیج پر لا کے دکھانے لگے۔ یک بیک عوام میں دلچسپی پیدا ہوئی۔ راہبوں اور پادریوں میں ان تماشوں کے دکھانے کا جوش اور بڑھا گرجے اور خانقاہیں چند ہی روز میں خاموش اور سنسان عزلت کدہ کے بجائے تھیٹر بن گئیں اور عبادتگاہیں ایک قسم کے ناچ گھر بن گئیں۔

تھوڑے دنوں میں ایسی تاجرانہ کمپنیاں قائم ہو گئیں جنھوں نے خاص طور پر تعلیم دے کے اچھے اچھے ایکٹر تیار کئے اور پادریوں سے ان تماشوں کو ایسی خوبی سے دکھانا شروع کیا کہ مقتدایان دین پیچھے پڑ گئے اور ساری خلقت ان کمپنیوں کے تھیٹروں کیطرف متوجہ ہو گئی۔ رواج ہو گیا کہ امیروں اور معزز لوگوں کے وہاں کوئی تقریب یا دعوت ہوتی تو یہ کمپنیاں بلائی جاتیں جو اپنا تماشا دکھا کے محفل کو خوش کر دیتیں۔ اب ایسی بہت سی کمپنیاں قائم ہو گئی تھیں جو کسی ایک تماشے کو اپنے لئے اختیار کر لیتیں۔ اسی کے مناسب سینریاں بنائی جاتیں اسی کیلئے ایکٹر اور ایکٹرسیں تعلیم دیکے تیار کرتیں اور اپنا سارا سرمایہ اسی ایک تماشے میں صرف کر دیتیں۔

ان تماشوں کا رواج روز بروز ترقی کرتا گیا اور ان میں جدتیں اور ترقیاں ہونے لگیں۔ ان مذہبی ناٹکوں کی شان اور حالت دکھانے کیلئے ہم ایک تماشے کا خاکہ ناظرین کے سامنے پیش کر دینا چاہتے ہیں۔ مثلاً ایک تماشا "کشتی نوح" کا تھا۔ اسمیں نظر آتا کہ ایک بڑی سی کشتی زمین پر قائم ہے۔ جسکی صورت اس زمانے کے بڑے اور پُر تکلف جہازوں کی سی ہے اس کے اوپر ایک بنگلہ نما مکان ہے جس کی چوٹی پر صلیب لگی ہے۔ کشتی پر چڑھنے کے لئے ایک سیڑھی لگی ہوئی ہے۔ حضرت نوح (ایک سفید لمبی ڈاڑھی والا آدمی) جن جن لوگوں کو اجازت دیتا ہی اس پر چڑھ جاتے ہیں۔ ان کی بیوی اور ان کے دو فرزند مع اپنی بیویوں کے چڑھ گئے ہیں۔ جو وہاں کے فحش مذاق کے مطابق اپنی اپنی بیویوں سے ہم آغوش کشتی کے اوپر منظر عام میں کھڑے ہیں۔ تیسرا بیٹا ابھی سیڑھی پر ہے اور اس کی بیوی جو شاہزادیوں کا سا لباس پہنے ہے کشتی کے نیچے سر جھکائے کھڑی رو رہی ہے اور حضرت نوح اسے بھی اوپر بلا رہے ہیں۔ کشتی کے سامنے صدہا زن و مرد کا ہجوم ہے جو حضرت نوح کی اس کشتی کا تماشا دیکھ رہے ہیں۔ کشتی کے اوپر پال چڑھا ہوا ہے۔ جس پر کچھ نقش و نگار بنے ہیں اور چند حروف لکھے ہیں جو کمپنی کا نام بتاتے ہیں۔

اسی طرح سے جملہ واقعات جو توراۃ میں مذکور ہیں تھیٹر کی شان سے دکھائے جاتے اور لوگوں کی بڑی دلچسپی ہوتی۔ ان میں فقط آدمی فرشتے یا شیاطین۔ تثلیث کے اقانیم ثلثہ یعنی باپ بیٹا روح القدس بھی ان لوگوں کے مذاق کی خیالی شکلوں میں تماشائیوں کے سامنے پیش کیے جاتے اور لوگوں کے دلوں پر انکا بڑا اثر پڑتا حضرت نوح کی کشتی تو ایک دنیا کی چیز تھی مسیحیوں کے یہ مذہبی تھیٹر جنت۔ دوزخ۔ تخلیق عالم کے ہفتے۔ اور تمام چیزوں کے فنا ہوجانیکا تماشہ بھی دکھا دیا کرتے جس طرح ہندو رہس کے ذریعے سے سری کرشن جی کی زندگی اول سے آخر تک دکھاتے ہیں یہ مسیحی تھیٹر حضرت مسیح کی ساری زندگی آپ کے ورود بیت المقدس سے لیکے اسوقت تک جبکہ مریم مگدلینی نے آپ کو زندہ ہوکے قبر سے نکلتے دیکھا تھا۔ اسٹیج کے اوپر دکھا دیا کرتے۔

ان مذہبی تھیٹروں ہی سے منتقل ہوکے یورپ کے موجودہ تھیٹر بنگئے ہیں جو مذہب کے دائرے سے نکل کے اب تاریخی واقعات اور اخلاقی اسلوب زندگی کے حالات سے وابستہ ہوگئے ہیں۔ ان ڈراموں میں لوگوں کی دلچسپی بڑھنا شروع ہوئی۔ اور آخر یہانتک نوبت پہونچی کہ وہ اگلے مذہبی ڈرامے منظر دنیا سے غائب ہو کے فنا ہوگئے لیکن یہ نہ خیال کیجئے کہ ان کا نام و نشان بھی نہیں رہا۔ یورپ کے بعض مقامات میں اب بھی کبھی کبھی ان کا تماشا دیکھ لیا جاسکتا ہے۔

علاقہ بویریا کے ایک شہر میں ۱۰۶۲ سنہ نبوی میں ایک قسم کا شدید طاعون پیدا ہوا تھا جس سے لوگ بہت ہی پریشان ہو رہے تھے۔ اسی پریشانی میں اس طاعون کے دور کرنے کیلئے حضرت مسیح کی زندگی کا مذہبی تماشا دکھایا گیا۔ اور منت مانی گئی کہ اگر یہ مرض دور ہوگیا تو ہر دسویں برس ہم اس تماشے کو ضروری کیا کرینگے۔ طاعون جاتا رہا اور وہ منت آجتک پوری ہو رہی ہے اور اس کے ذریعہ سے جبکہ وہ دینی ملاعبت ساری دنیا سے مٹ چکی ہے۔ بویریا میں اب بھی ہر دس برس میں ایک بار یہ تماشا بڑی دھوم دھام سے ہوا کرتا ہے۔

اسی سلسلہ میں قدیم اہل یورپ میں ایک ہولناک ناچ کا بھی رواج تھا جو "رقص مرگ" کہلاتا۔ آٹھویں صدی نبوی میں وہ بکثرت دکھایا جاتا۔ اس مہیب ناچ کا مقصود یہ تھا کہ دینداروں کو آنکھوں سے دکھایا کہ موت نوع انسانی پر کیسی قدرت تامہ رکھتی ہے۔ اس میں ملک الموت اپنے ماتحت فرشتوں کے ساتھ اسٹیج پر آتا پھر وہ لوگ آتے جن کی وہ روح قبض کرنیوالا ہے یہ سب ناچتے۔ اور ناچ ناچ کے ملک الموت اپنا دست قضا ان پر دراز کرتا۔ وہ اس سے بچنے کی بیسیوں تدبیریں کرتے مگر بچ نہ سکتے۔ یہ ناٹک بھی خاص گرجوں کے اندر یا انکے

دیر سایہ دکھایا جاتا۔ خود پادری ایکٹر ہوتے۔ جو اپنے خیال کے مطابق ملائکہ موت کے بہروپ میں آتے ملک الموت ہیں اور اُس کے بس میں ماتحت فرشتوں میں کچھ دیر تک مختصر و موثر گفتگو ہوتی۔ اس کے بعد اُن لوگوں پہ دست درازی شروع ہو جاتی جن کی قضا آگئی تھی۔

اس قسم کے رقص مرگ کا تماشا پہلے پہل جرمنی میں ایجاد ہوا تھا۔ جہاں کا زمانہ نو آجکل اپنے بزرگوں کی بہ نسبت زیادہ خوبی و وسعت سے ساری دنیا کو یہ تماشا دکھا رہا ہے۔ جرمنی کے بعد یہ رقص فرانس میں شروع ہوا۔ جہاں چند ہی روز میں اُسکا بہت رواج ہو گیا۔ فرانس میں یہ رقص خدا جانے کیوں اور کس مناسبت سے مصر کے ایک قدیم تارک الدنیا راہب و ولی سینٹ مکاریوس کی جانب منسوب ہو کے اُسی کے نام سے مشہور کر دیا گیا۔

فرانسیسیوں کو یہ موت کا ناچ ناچتے تھوڑے ہی دن ہوئے تھے کہ بجائے اس کے کہ ایکٹر اسٹیج پر آ کے یہ ناچ دکھائیں۔ اسی ناچ کے بڑے بڑے مرقع اسٹیج پر دکھائے جانے لگے۔ اور جو واقعات مرگ پیشتر ڈراما کی صورت میں دکھائے جاتے تھے۔ اب تصویروں کی وضع میں کر دیے گئے۔ مختلف مرقعے تھے جن میں پہلے مروجہ ڈراما کے تمام سین بنا دیئے گئے تھے۔ موت کے ان مرقعوں کے دکھانے کا رواج فرانس سے ترقی کر کے انگلستان میں پہونچا لیکن یہ ایسا تماشا تھا کہ تھوڑے دنوں میں لوگ اُکتا گئے۔ اور اس کا رواج جاتا رہا مگر رقص مرگ کے مرقعے جو اُس زمانے کی یادگار ہیں اکثر ممالک یورپ اور انگلستان میں آجتک موجود ہیں جو عبرت کی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں۔ نویں صدی نبوی میں رقص مرگ کا ڈراما بالکل موقوف ہو گیا۔ اور اسکی جگہ فقط ملک الموت کی کارروائیوں کے مرقعے نظر آ رہے تھے۔

لیکن یہ مرقعے بھی آغاز رواج کے وقت صرف راہبوں اور ننوں کی خانقاہوں کے خاموش حجروں میں رہا کرتے۔ اور کسی جگہ نہ دیکھے جا سکتے تھے۔ تھوڑے زمانے کے بعد وہ اُن خانقاہوں سے نکال کے عام لوگوں کے سامنے اور عام مقامات میں دکھائے جانے لگے اور زندہ آدمیوں کا بہروپ بھر کے آنا اسقدر ترک ہو گیا کہ لوگوں کو یاد بھی نہ رہا اور ان ہولناک مرقعوں کی اصلیت لوگوں کو بھول گئی۔

دسویں صدی نبوی کے ایک مشہور نقاش ہوبیان نے اپنا کمال نقاشی ان مرقعوں میں دکھایا اُس نے رقص مرگ کے ڈراما کو ترپن مناظر میں تقسیم کیا۔ اور اُن کے ترپن اعلیٰ درجے کے مرقعے بنائے جنکو وہ "تصورات مرگ" کہتا۔ یہ مرقعے جن لوگوں نے دیکھے بہت پسند کیے اور ہوبیان کے ہاتھ کے وہ اصلی مرقعے آجتک دارالسلطنت روس پیٹروگراڈ میں حفاظت سے رکھے ہوئے ہیں مگر آجکل خود ملک روس مرقع مرگ بنا ہوا ہے۔ تمام

افغان

یعنی تاریخ افاغنہ

معہ چار فوٹو
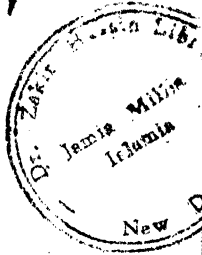
جس میں احمد شاہ درانی والی افغانستان کے مفصل حالات زندگی آغاز سلطنت۔ ہندوستان پر متواتر حملے۔ اور اُس کے فرزند تیمور شاہ اور بیدار بخت پوتے زمان شاہ کی عہد سلطنت کے تمام واقعات نہایت تحقیق سے بیان کئے گئے ہیں اور تمام باہمی خانہ جنگیوں کا ذکر جو اس درمیان میں ہوئیں مع فوٹو نادر شاہ و احمد شاہ و نواب اکبر خان جنکے نام یہ کتاب نذر کی گئی ہے۔

قیمت ۱۲ مجلد مع فوٹو رعایتی ۱۰

بستان التفاسیر

ترجمہ اردو

تفسیر فتح العزیز پارہ تبارک الذی

مصنفہ عمدۃ المحدثین زبدۃ المفسرین امام العلماء قدوۃ الفضلاء حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رح۔ ایسے شخص کی تصنیف کی کیا کوئی تعریف لکھہ سکتا ہے صرف انکا نام کافی ہے۔ گیارہ بڑی بڑی صورتوں کی تفسیر ہے۔ مع احادیث کے۔ سورۃ تبارک سورۃ نون۔ سورۃ حاقہ۔ سورہ معارج۔ سورہ نوح۔ سورہ جن۔ سورۃ مزمل۔ سورۃ مدثر۔ سورۃ قیامت سورۃ دہر سورۃ والمرسلات۔ لڑکیوں اور عورتوں کے واسطے اسکا مطالعہ ضروری ہے۔ ۲۰۰ صفحات سے زائد اور ۴۰۰ صفحات کلاں۔ قیمت عام ۱۲ رعایتی ۱۰۔ مجلد ۱۴ رعایتی ۱۲

تصانیف شمس العلما مولنا شبلی نعمانی مرحوم

مولنا شرر کی بے بہا تصنیف مع فوٹو

مولنا شرر مقالات شرر و جذبات شرر

یہ مضامین نہیں بلکہ منشیانہ معجزات اعجاز نگاری کی کرامتیں ہیں جنھیں انشا پردازی کا شوق ہو تو اس کتاب کو ضرور منگائیں انہیں مضامین کی بدولت ہندوستان میں بیسیوں مضمون نگار بن گئے مولنا سے پہلے نیچرل مضامین کا لکھنے والا ہندوستان میں کوئی نتھا ہم نے بڑی تلاش سے جمع کرکے طبع کئے ہیں قیمت صرف عہ

فہرست مضامین دنیا عمر دوروزہ بدمستی اندھیری رات۔ ہم اور ہمارے کمالات شمع سحر خود پسندی برسات بیکسی۔ رنج و الم۔ اندھیری رات اور سحر۔ ہوا گم شدگان سلف۔ ازماست کہ برماست شادی و غم۔ ہم۔ آنیوالی گھڑی برکھا رت خلوص ٹوٹا ہوا کھنڈر موسم خریف چھوٹا پن اوس کی رت چھدائی یاس سرآمد حسن زمانہ حیات کی شام عالم خیال شمع حرم خاموش آسمان۔ گرمیوں کی رت باغ آرزو۔ فصل بہار لالۂ خود رو بیجودی پھول غریب کا جھونپڑا۔ نذرِ یار قیمت معمولی کاغذ عہ ولایتی کاغذ مجلد ۲ مجموعہ مولانا شرر کے بڑے اسلامی سوانحعمری مؤلفہ مولانا شرر قیمت عہ

سیرۃ النعمان یعنی امام اعظم ابوحنیفہ کوفی کی مفصل سوانحعمری آپ کے اول سے آخر تک کے پورے تفصیلی حالات لکھے ہیں۔ یہ ایک معرکۃ الآرا کتاب ہے قیمت ایک روپیہ آٹھ آنہ عہ

الفاروق مفصل سوانحعمری حضرت فاروق اعظم اس سے بہتر سوانح عمری آج تک کوئی نہیں چھپی ہے مع فتوحات اسلام

سفرنامہ روم مصر و شام اس کتاب میں دیگر چشم دید حالات کے ترکوں اور عربوں کے اخلاق و عادات کو نہایت تفصیل سے لکھا ہے صوبہ بہار کے کورس میں داخل ہے قیمت عہ

الغزالی یعنی امام محمد بن محمد الغزالیؒ کی پوری سوانحعمری اور انکے کلام پر تبصرہ و ریویو عہ

المامون یعنی سوانح عمری خلیفہ مامون الرشید اعظم اسمیں تمام کارناموں کی تفصیل ہے جن کی وجہ سے مامون الرشید کا عہد عموماً شاہان اسلام سے علمی حیثیت میں ممتاز تسلیم کیا گیا ہے عہ

سوانحعمری مولنا روم یعنی مولانا جلال الدین رومی کی مفصل سوانح عمری مثنوی شریف اور دیگر تصانیف پر تبصرہ۔ قیمت عہ

سید ظہور الحسن و حافظ ابوالحسن قومی پریس چھتہ لال میاں دہلی